کلامِ جمال



احمد جمال صادق

کلام منتخب از خود

بقلم خود



برادرم نجم الدین سیف الله لقمانی

احمد شاملو

سلام

بخدمتِ حضرت سرورِ کائنات رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم

سلام جنّ و ملک کا انجمن بشر کا سلام
خدا کے بھیجے ہوئے ہر پیامبر کا سلام

مرا سلام مری طلب بے ہنر کا سلام
سلام، طائرِ فکرِ بریدہ پر کا سلام

اُنہیں میں عجزِ بیاں کا سلام پیش کروں
لکھوں تخیّلِ ژولیدہ سر بسر کا سلام

درِ حضور تک اے موجِ آرزو لے جا
ادب سے ناطقۂ غیر معتبر کا سلام

مرے نشیدِ جنوں امتزاج کی تحیات
مرے قصیدۂ مفہوم مستتر کا سلام

جنونِ عشق کی عشرت فزوں سحر کا درود
خرد کے دشتِ تگ و دو کی دوپہر کا سلام

ترے نثار سحابِ خجستہ پا لے جا
نیازِ گریۂ شب، آہِ بے اثر کا سلام

نعت

ہے نامِ محمدؐ دوائے غمِ دل — ہے نعت ان کی تریاقِ زہرِ ہلاہل

غمِ عاقبت، فکرِ امروز و فردا — وہیں لے کے چلتے ہیں سارے مسائل

حقِ آقا کی مدحت کا کیونکر ادا ہو — کہ لکھنا بھی مشکل نہ لکھنا بھی مشکل

وسیلہ ہو یہ عفو اور درگزر کا — مگر یہ تمنا ان کی تحصیلِ حاصل

قلم اور قرطاس و قاصد کی حاجت — وہاں جا پہنچے دل سے رسل و رسائل

وہ اٹھنے نہ دیں گے کبھی خالی دامن — کوئی بیٹھ دیکھے تو در کے مقابل

ازل سے ابد تک کوئی ابنِ آدم — ہوا ہے نہ ہوگا، محمدؐ مماثل

محمدؐ کا نام اونکی عظمت کا برہاں — وہ یٰسین و طٰہٰ، مدثر، مزمل

ازل ہی سے تھا گویا دل ان کا قرآں — وہی تا ابد گویا قرآں کا دل

اندھیروں میں انسانیت سو رہی تھی — اذاں سن کے جاگے عرب کے قبائل

تھے ساداتِ مکہ سرافراز لیکن — گرفتارِ سرپنجۂ نفسِ قاتل

مقدر جو پیہم تھے کفارِ مکہ — مگر ریشمی دل نوازش پہ مائل

چراغِ لعیں بندگی ڈھونڈتی تھی — مدینے سے پہونچے ہدیٰ کے قوافل

پڑھایا سکھایا سنوارا دکھایا — صحیفہ، ادب، خُلق اور حق و باطل

عرب کی زمیں رشد سے آشنا تھی — خرافاتِ یونان و فارس تہِ گِل

صبا حضورِ رسالت مآب جا کہنا
دلِ حزیں کا مرے میری چشمِ تر کا سلام

کمالِ بے ادبی اونکے آگے سعیِ سخن
اُنہیں ہمارے اسی نقطۂ نظر کا سلام

قبول کرتے ہیں آقا خیالِ ہیچ نہ کر
ہے غیرِ عرض غلامانِ بے خبر کا سلام

چلی ان کے نقشِ قدم پر جب اُمت　　مٹا نقشِ ہاروت و ماروت بابل
تصرف سے ہے آپ کے شاہِ طیبہ　　مسلمان کا دل آئینہ آئینہ دل
میں جذبات کی کیسے تصویر کھینچوں　　ردا ہے معانی میں الفاظ حائل
جمالِ محمد کریں پیش عجزِ سخن کا　　تو سعدی نہ جامی نہ رومی نہ جبریل

غزل

فروغِ رُخ سے ہے ساغر آتش
گلابی سے چھلکی پیالہ آتش
ہے چشمانِ نم آتش در آتش
نمِ شبنم سے گُل آتش بر آتش
نہ چھلکا آنکھ سے آنسو تو گوہر
اگر عارض پہ ہے تو گوہر آتش
مسرت ہے تو ٹھنڈی چاندنی ہے
ہے جب کیفی تو ماہ و اختر آتش
لبوں تک آتے آتے رہ گئی ہیں
لگا دیتی ہیں آہیں اکثر آتش
ہر اک ذرے میں پنہاں آتشِ عشق
جہاں جیسے تہِ خاکستر آتش
خدا کی آگ کیا آبِ بقا کیا
جنوں کا حاصل آتش مصدر آتش
حبابِ آبِ لب میگون خوباں
بظاہر کچھ ہے باطن یکسر آتش

گیت

جبیں پر یوں جیسے کرن تن بدن کی
نظر لگ نہ جائے کہیں اپسرن کی

جوانی ہی عنوان ہے بانکپن کا
دوانی یہ دنیا اسی بانکپن کی

پسینہ میں نکھرا ہی جائے سراپا
چھپائے سے چھپتی ہے چوری بدن کی

کھلا گورا مکھڑا تو درپن کا اجالا
وہ کالا جوڑا تو بھوری رسن کی

چلی بال کھولے جو سنگھٹ کو گوری
قدم چومنے آئیں پریاں گگن کی

نہ سیوتی نہ جوہی نہ بیلا نہ چمپا
مہک ہے مہک ایک گورے بدن کی

نظر بھر کے ساجن کو دیکھوں جس دن
وہ دن مجھ کو ہے رات چندر گہن کی

لگاوٹ کی باتوں پیاجی کو سبھی
کہانی سناتی ہے نل اور دمن کی

کہاں وہ گھڑیاں کہاں وہ کنہیا
گلی عشق کی تھی گلی بندرابن کی

جمال آن کر مدت سے چھپ جاتے ہیں
وہی آن میں خوشبو مجھ کو ملی دلہن کی

غزل

سن بیبیوں کی بی کہاں واعظ
ذلیت کیا ہے بجز فغاں واعظ

خالق کی کیا نہیں کوئی صورت
کفر و ایماں کے درمیاں واعظ

کس طرف بڑھتے جارہے ہیں لوگ
کس طرف ہیں رواں دواں واعظ

بے خودی مرہمِ جراحتِ دل
آگہی آفتِ وبالِ جاں واعظ

نکتۂ عشق اے سبحان اللہ
قصۂ زہد الاماں واعظ

عشق کے باب میں نہیں مذکور
کس طرح کیسے کب کہاں واعظ

سجدہ ناز ہیں یوں سر بسجود
زیرِ محراب ابرواں واعظ

طے ہوں صدیوں کے راستے پل میں
سیر تو سیر ہے لگاں واعظ
کچھ خبر ان اگلی منزل کی
کچھ سنا حالِ رفتگاں واعظ

غزل

اگر حرم ہے حقیقت میں بام و در کا فریب
عجب نہیں کہ حقیقت بھی ہو نظر کا فریب

وجود اپنا عدم ہے تو اعتبارِ وجود
فریب اور مری چشمِ معتبر کا فریب

یہ آئینہ ہے کہ ہے آئینے میں آئینہ ساز
یہ میں ہوں یا مرے پیشِ نظر نظر کا فریب

گمانِ حاصلِ مجبور اک فریبِ خیال
نشانِ منزلِ مقصود رہگزر کا فریب

ہزار دامِ معانی تھے اہلِ دل کو مگر
شکار کر نہ سکا عقلِ فتنہ گر کا فریب

غزل

کسی کا بندِ قبا کھل گیا تو کیا ہوگا
اڑا کے لے گئی خوشبو صبا تو کیا ہوگا

ہے اپنے جوشِ جنوں کا اگرچہ یہ عالم
اگر حجابِ دو عالم اٹھا تو کیا ہوگا

خبر ہے نازکنانِ خرامِ گلرخاں خیز
چراغِ مہر و وفا بجھ گیا تو کیا ہوگا

غبار ہے جو جو دنیا حسیں خطاؤں کی
وہیں سے فتنۂ محشر اٹھا تو کیا ہوگا

غضب ہے بے خبری رہروان و رہبر کی
یہ قافلہ سرِ جادہ لٹا تو کیا ہوگا

انہیں یہ ضد کہ بدل جائیں عمر کے انداز
ہمیں یہ فکر کہ ایسا ہوا تو کیا ہوگا

جمال کہہ تو گئے سب سے راز کی باتیں
مزاجِ یار جو برہم ہوا تو کیا ہوگا

نہ تو فکرِ راہ و منزل، نہ غرض ہے راہبر سے
کہ نکل گیا ہوں آگے، میں حدودِ خیر و شر سے

مرے سادہ طبع ہمدم، ہیں شکستِ دل پہ حیراں
کہ نہیں ہنوز واقف وہ مذاقِ شیشہ گر سے

مرے عشق کا فسانہ، نہ بھلا سکا زمانہ
مرا نام آ گیا ہے، وہ گزر گئے جدھر سے

"ترے تیرِ نیم کش کو کوئی میرے دل سے پوچھے"
تری بے رخی کو دیکھے کوئی میری چشمِ تر سے

یہ نظامِ بزمِ عالم، یہ تغیراتِ پیہم
ابھی مرکزِ نظر تھے، ابھی گر گئے نظر سے

ترے درد کا مداوا نہ ہوا نہ ہو سکے گا
کوئی ہی اختلافِ پیہم جو ہے گلہ چارہ گر سے

ہے یہ عشق کا کرشمہ کہ فسونِ حسنِ تاباں
میں جمال دیکھتا ہوں، ہر اک نئی نظر سے

بتوں کے حلقے میں گر شب کو ہاؤ ہو کرتے
تو دن میں شیخِ شریعت پہ گفتگو کرتے

دل ایک تھا جو ترے در پہ ہم لٹا آئے
اک اور ہوتا، نثارِ درِ عدو کرتے

نماز سایۂ مژگانِ یار میں ہوتی
جو خونِ دل سے کبھی اہلِ دل وضو کرتے

خبر کہاں تھی ہم اہلِ جنوں کو سینے کی
کہ چاکِ دامنِ ادراک ہم رفو کرتے

جو دوستوں سے نہیں تم نباہ پر مائل
تو دشمنوں کو ہی بہلانے کی خو کرتے

یہ کیا ضرور کہ اندیشہ ہوں ہدفِ سخن
ہم آپ ہوتے، محبت پہ گفتگو کرتے

ملال کب ہے ہو پابندِ کنجِ محرومی
کبھی تو سیرِ خیابانِ رنگ و بو کرتے

ترجمہ:- حضرت خواجہ حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کے شعر کا:-

نماز در خمِ آن ابروانِ محرابی + کسے کند کہ بخونِ جگر طہارت کرد

ذہن جب تک مبتلائے شبہات و وسوسۂ ظن میں ہے
حسرتِ نایافت کا آتش کدہ دامن میں ہے

مصلحت کی اوٹ میں، تدبیر کی چلمن میں ہے
جو تجلی ہے یہاں، فطرت کے پیراہن میں ہے

کس کی مدحت میں ازل سے ہیں نواسنجِ الست
ذکر کس کا قلقلِ مینائے محفل افگن میں ہے

نرگسِ شہلا میں اوسکی چشمِ پُرفن کا فسوں
شوخیِ حسنِ تکلم، پردۂ سوسن میں ہے

بس وہی اللہ ہو، القدوس، اللہ ہو
نبض کی ہر ضرب میں ہے دل کی ہر دھڑکن میں ہے

ختم ہی ہم سے نہ غم ہم سے نہ دل پر اختیار
ساز کی آواز مضمر کیفِ زخمہ زن میں ہے

جستجوئے عالمِ امکاں میں از خود رفتہ ہم
وسعتِ اک عالمِ امکاں، خمارِ تن میں ہے

ایک یہ منزل ہے جس کو زندگی کہتے ہیں ہم
اور اک منزل سفر کی ہم سفر مدفن میں ہے

ہم جمالؔ انجام سے بیگانہ وش محو تلاش
اپنی معراجِ محبت سعیِ مستحسن میں ہے

تو زیرِ مادرزاد مری عمر بسا کے ساتھ
نغمے ملاؤنگا کہ میں میری نوا کے ساتھ

خوشبوئے مشکبو خونِ شہیداں صبا کے ساتھ
در پردہ سلسلہ ہے بقا کا فنا کے ساتھ

وہ ہم نشیں ہیں گرچہ سبھی زہد و طراز
پردے میں کوئی اور ہے پردہ سرا کے ساتھ

بڑھ کر کسی نے بارِ امانت اٹھا لیا
یومِ الست قول و قرارِ بلیٰ کے ساتھ

عقل و خرد رہینِ خم و پیچِ زندگی
دل کا معاملہ خمِ زلفِ دوتا کے ساتھ

پیشِ جمالِ یار کسے دل پہ اختیار
آئینہ کو رکھ کے دیکھئے آئینہ ربا کے ساتھ

اے شیخ مے حرام ہے بالکل حرام ہے
لیکن پلائے پیرِ مغاں جب بجا کے ساتھ

بر آستانِ زہرہ جبیناں رسیدہ باد
اشواق و التماس سلام و دعا کے ساتھ

کل رات شب میں آگئے پردے اٹھا کے آپ
پھر لے گئے جمالؔ کو اپنا بنا کے ساتھ

حل یہ کی کوئی صورت تو نکالی جائے
مُہرِ اسلام کی ہر دل پہ لگالی جائے

شے تمکینِ رُبا کیوں نہ اچھالی جائے
کھُل کے کچھ کہنے کی حسرت ہی نکالی جائے

خوب ہے فکر و تامل یہ ضروری تو نہیں
زلفِ اندیشہ کو زنجیر بنالی جائے

اپنے اطوار کی ہی زمیں رکھیے روش جب تیوری
کلفتِ دربدری کیوں نہ اٹھالی جائے

سادگی میں ہم اسی شخص کے پیچھے بیٹھے
جس سے دستار خود اپنی نہ سنبھالی جائے

خشک ہونٹوں پہ ہی لوگوں کے ہیں شستہ سوال
آبرو کیسے مشیخت کی بچالی جائے

ہم رکھیں دشمنِ جاں، دشمنِ ایماں اغیار
مصلحت کہتی ہے دونوں سے نبھالی جائے

خود الجھ جائیگا سب پیچ و خمِ زلفِ مراد
پہلے ذہنوں کی تو آشفتہ خیالی جائے

غزل

مکاں کی صورت میں اور کچھ تھی تجلیاتِ مکیں سے پہلے
تشکیک سینوں میں جاگزیں تھی فروغِ شمعِ یقیں سے پہلے

تمام عمر کیوں نہ جھکے، مری نظر میں وہ کیا سمائے
کسی نے پردے الٹ دیئے، ملاحتِ مہ جبیں سے پہلے

ملال ہے گردشِ نظر کا، کہ ہر نظر کو یہی ہے دھوکا
نظر رکی ہے جہاں پہ آخر، نظر وہیں تھی یہیں سے پہلے

ملول کیوں ہے ابھی سے اے دل یہی ہے دستورِ بزمِ ہستی
پلائی جاتی ہیں تلخیاں بھی، پیالہ مے و انگبیں سے پہلے

رہے ہمارا جنوں سلامت، زمان و قید و مکاں کیا ہے
قدم ہمارا کہاں نہیں ہے، فلک پہ تھے ہم زمیں سے پہلے

قبول کرتے نہ بادشاہی، اگر ہمیں اختیار ہوتا
انہیں کا ہم انتخاب کرتے سریر و تاج و نگیں سے پہلے

رہِ محبت پہ چلنے والو، دیارِ خیر الانام آیا
بڑے ادب کا مقام آیا، نظر جھکا لو جبیں سے پہلے

نہ جانے کیا کیا مقام آئیں، کٹھن محبت کا راستہ ہے
چلو ذرا مشورہ کریں ہم، جمالِ انجام بیں سے پہلے

غزل

جب کسی کامل رُخ کا خیال آجاتا ہے
یہ دلِ دیوانہ مشکل سے سنبھالا جاتا ہے

سینکڑوں غم ہیں یہاں تجھ سے دوری کا بھی غم
آدمی کس کس طرح سے آزمایا جاتا ہے

اُجلے اُجلے پیرہن میں ان بتوں کا حسنِ ظلم
میری ان مشتاق آنکھوں کو دکھایا جاتا ہے

شامِ غم ہر شام میری اجنبی ماحول میں
برف میں ڈوبی ہوئی رات آکے ٹھہر جاتی ہے

صبح نکلا گر نکلا تو ٹھنڈا آفتاب
چودھویں کا چاند تب بھی ہم کو ترسا جاتا ہے

غم اٹھانے کو سہارا بھی تو کوئی چاہیے
پشتِ ہمت میں گرانباری سے خم آجاتا ہے

تجھ سے چاہت کا مجھے خود بھی اندازہ نہ تھا
عشق کے گہرے سمندر تک یہ دریا جاتا ہے

کتنی ہی دوری ہو کیسی ہی نحیف آواز ہو
سننے والا سن ہی لیتا ہے جب پکارا جاتا ہے

کس مسیحی کا اقبال اس رُخ بھی اچھا لگا
آدمی جاتا ہے دنیا سے تو تنہا جاتا ہے

دورانِ قیام انگلینڈ

روپ کی شبنم چاندنی چھٹکی ہوئی آنگن میں ہے
جانے پنچھی باورا بھٹکا ہوا کس بن میں ہے

پھول سے کومل بدن کی سج مہک جوبن میں ہے
گورے گورے انگ کی سج تو دمک کنگن میں ہے

رس بھرے ہونٹوں کی چھب میں شبنم کا گلیان گلال
پریت کی باگیسری جادو بھرے نینن میں ہے

بس ہری کا بول ہر دم تیر تیری ہر اوم اوم
سانس کی آوا گون بھی دل کی ہر دھڑکن میں ہے

جی بہت گھبراتا ہے اے ری سکھی گوکل سے چل
اپنا من موہن مراری لال بندرابن میں ہے

اے اقبال اس گیت میں ہے دکھ بھرے من کی پکار
تیری بھیروں ٹھاٹھ کا کھٹ راگ سیوون میں ہے

بغیر عشق کیا زندگی، زندگی ہے
وہ ساغر نہیں ہے جو ساغر تہی ہے

ادھر جب سے اسکی توجہ رہی ہے
ہر اک شے میں اک کھلبلی آ گئی ہے #

بدلتی رہی صبح و شام اس کی دنیا
مگر عشق والوں کی دنیا وہی ہے

جہاں کچھ نہیں ہے وہیں آ گئے ہیں
یہاں اب خودی ہے نہ وہ بے خودی ہے

کوئی کیسے جانے کوئی کیا بتائے
جہاں آ گئے ہیں بڑی خامشی ہے

زمانہ ہے خنداں مری بے کسی پر
زمانے پہ خنداں مری بے کسی ہے

کہاں کس کا دامن ہے بے داغ اسکا
فرشتہ نہیں ہے جمال آدمی ہے

سنورتے ہی جاتے ہیں کام اہلِ غم کے
[illegible] نہ پرسش نہ چارہ گری ہے

غزل

گو سب سے بے نیاز نظر سے نہاں تو ہے
وہ دل کے آئینے میں تبسم فشاں تو ہے

سینے میں داغ خندۂ زخم نہاں تو ہے
اک لالہ زارِ رنگِ جنوں کشتہ جاں تو ہے

ساقی کی چشم مست ~~خفا~~ تغافل نشاں سہی
دل کے قدح میں جوشِ مئے ارغواں تو ہے

مولا تری سخا سے کروں اور کیا طلب
میری بساطِ عجز کا تو پاسباں تو ہے

نا آشنائے درد یہ کچھ بولتا نہیں
اہلِ جنوں کے منہ میں بھی ورنہ زباں تو ہے

اتنا نہیں ہے کوئی ٹھکانا [illegible] آ گئی
مسجد صفا میں درگہِ پیرِ مغاں تو ہے

جب تک نفس کی آمد و شد کا ہے سلسلہ
ژولیدگی ہے رشتۂ جسم و جاں تو ہے

ہوا نہ جو جمال غزل میں کوئی فسوں
ذہنوں میں ایک چشمۂ آبِ رواں تو ہے

غزل

محفل کی رونقیں بھی ہوں تنہائیاں بھی ہوں
رنگینیاں بھی عشق میں بے کیفیاں بھی ہوں

بیتابیاں ہوں شب کی مگر کامرانیاں بھی ہوں
کانوں میں گل کے بھونروں کی شہنائیاں بھی ہوں

آغوشِ التفات ہو سرگوشیاں بھی ہوں
گیسوئے خم بہ خم کی پریشانیاں بھی ہوں

مرہم رسانیاں بھی ہوں گل افشانیاں بھی ہوں
دل کی جراحتوں پہ نمک پاشیاں بھی ہوں

صد جگر گدازیاں ہوں جو دوری ہو دو گھڑی
ہو جائے سامنا تو پشیمانیاں بھی ہوں

فطرت نے اس تضاد کو سمجھا نہ آدمی
دلدادیاں جہاں ہوں دل آزاریاں بھی ہوں

سمجھو بجا ہے لب پہ نہ آیا کسی کا نام
کیا غرض ہے کہ عشق میں رسوائیاں بھی ہوں

کیونکر جمال منہ سے ادا ہو ادا کا حال
جب دل میں جلوہ گاہ کی حیرانیاں بھی ہوں

غزل

آپ اپنا ساز ہم پا ساز دوست
یہ صدا اپنی ہے یا آوازِ دوست

ہو سکا کیا واقفِ اندازِ دوست
عمر بھر کوئی اٹھائے نازِ دوست

تیر چلتا ہے نہ خنجر ہاتھ کا
دوست کو بس ابروئے غمازِ دوست

میری آنکھوں میں نہاں صبحِ ازل
میرے سینے میں ودیعت رازِ دوست

ہم اپنی جلوۂ حسنِ تمام
ہم قتیلِ چشمِ حیلہ سازِ دوست

یا اسی کی سمت میں کھو جائیے
یا مجسم ہو رہے آوازِ دوست

غزل

خراباتِ مغاں سے محفلِ روحانیاں تک ہے
جلالؔ آزردگانِ عشق کا چرچا کہاں تک ہے

خیابانِ یقیں تک ہے بیابانِ گماں تک ہے
ہم آشفتہ سروں کا نقشِ پا دورِ جہاں تک ہے

خرد کی حکمرانی بامِ ماہ و کہکشاں تک ہے
کمندِ عشق کی زد میں مکاں سے لامکاں تک ہے

ترے پیراہنِ رنگیں سے نزہت گاہِ جاں تک ہے
بہاروں کا اک عالم ہے ترا پرتو جہاں تک ہے

کہاں کا سلسلہ پہونچا کہاں تک ربطِ پنہاں کا
تجلّی طور پر اُتری ہمارے آشیاں تک ہے

سمٹ آئے تو دل رہ جائے اک ذرّے میں گم ہو کر
اگر پھیلے تو دل میں وسعتِ ہفت آسماں تک ہے

جلالؔ افلاک کے پردے اُٹھائے جا رہے ہوں گے
رُوپہلی چاندنی چھٹکی ہوئی کوئے بتاں تک ہے

آئینہ در آئینہ جلوۂ فسوں
چشم اندر چشم جلوہ اعجازِ دوست

عشق کے اعجاز سے فتح و کشود
عشق خود سنجیدہ اعجازِ دوست

ہم جلالؔ آ پہونچے بامِ حسن تک
دوست سے لے کر پرِ پروازِ دوست

غزل

یہ بات الگ ہے سیکھ لیا اِس دور میں رسمِ عام نہیں

ورنہ تری محفل میں ساقی ہے کون جو تشنہ کام نہیں

جو پیشِ نظر ہے ہم سب کے ہم سب کی نظر کا دھوکا ہے

گلفام سبھی رخ ہیں شیشے میں لیکن وہ بتِ گلفام نہیں

تفتیش ہوئی تحقیق ہوئی انصاف کا اونچا نام ہوا

انصاف کے دفترِ ابتر میں انصاف کا لیکن نام نہیں

بے نور چراغِ علم و ہنر بے رنگ بہارِ فکر و نظر

امروز کے دفترِ دانش میں فردا کے لئے پیغام نہیں

وہ وصل کا سیمیں ساحل ہو یا ہجر کی سنگیں منزل ہو

اک پل بھی کہیں پہ رک جانا ہم اہلِ جنوں کا کام نہیں

اعجاز ہے جو بند آنکھوں کا جو خوابِ عدم کا حاصل ہے

اس کیفیتِ بیداری کا قاموسِ خرد میں نام نہیں

آغاز سے چل کر مرنے کا، انجام تک آنا فطرت ہے

اک عشق ہے جس کی فطرت میں آغاز تو ہے انجام نہیں

غزل

تابشِ حسن سے آباد مری خلوتِ عشق

کعبۂ ہوش بھی بارگہِ حضرتِ عشق

کم نہ ہوگی کبھی گل دامنیِ فطرتِ عشق

گرمیٔ آگ ہے سدا گلشنِ ازل نصرتِ عشق

مرحبا! اے غمِ دل حسرتِ دل حیرتِ دل

زندہ باد اے تپشِ شعلگیِ شدتِ عشق

اس کا عرفان تو ہو سکتا ہے تشریح نہیں

ماورائے سخن و حرف ہے لذتِ عشق

لبِ تشنہ کو دیے شوخ بلاؤں کی طلب

آگ بھی دے دلِ دیوانہ کو بھی قسمتِ عشق

وحشتِ عشق کرے ذروں میں شورش برپا

لذتِ عشق کرے پرورشِ وحشتِ عشق

خود فراموشی ہے اور دل میں ترا ذکرِ جمیل

مسلکِ عشق یہی اور یہی سنتِ عشق

دونوں عالم کا ہے عالم دلِ عہدِ رشکِ جمال

یہی نزہت ہے کہ افکار میں جنتِ عشق

قدم یا دو قدم آگے تو چل کر دیکھیے دنیا
خود اپنے آپ سے باہر نکل کر دیکھیے دنیا

جہاں دنیا ہے بے رنگی پس دنیائے صد رنگی
سرِ بزمِ خرد پہلو بدل کر دیکھیے دنیا

حقیقت کا اک ہی ایک منظر ہے پس منظر
جبیں پر عاجزی کی خاک مل کر دیکھیے دنیا

نظر کو زاویوں سے ہی تو ہے دنیا کی آرائش
ذرا سج دھج یہ دنیا کی بدل کر دیکھیے دنیا

ہم یا آپ خود نگاہی محیطِ بیکراں کیوں ہو
انا کے ظرفِ جوشش سے نکل کر دیکھیے دنیا

سرِ پیکارِ نادانی ہے فطرت کے تقاضوں سے
صراطاً مستقیماً پر تو چل کر دیکھیے دنیا

جبینِ شمع اپنے ہی کفِ پا پر جھکی دیکھی
بہت کچھ دیکھیے گر خود سنبھل کر دیکھیے دنیا

عدم آباد کی یاد آگئی ہوتی زمستانی
حبابؔ آتش میں دنیا کی تو جل کر دیکھیے دنیا

نسبت کا امتیاز ہے جو کچھ نظر میں ہے
ورنہ وہ نور ایک ہے جو ہر بشر میں ہے

رخسار و لب میں ہے نہ وہ زلف و کمر میں ہے
افسونِ حُسن جو بھی ہے حُسنِ نظر میں ہے

حُسنِ نظر کا رنگ قبائے بشر میں ہے
گو میں صدف ہوں سینے کی آب گُہر میں ہے

ہر لمحہ ہستیٔ رفت کا عالم نظر میں ہے
جو رک گیا ہے راہ میں وہ بھی سفر میں ہے

منزل میں ہے قدم نہ قدم رہگذر میں ہے
ایسا بھی اک مقامِ تحیر سفر میں ہے

راہِ طلب میں بے خبری ضامنِ اماں
مشکل تمام راہِ طلب کی خبر میں ہے

کھلتا جو پیچ گیسو و رخ کا معاملہ
کھلتا جو پیچ مسئلۂ خیر و شر میں ہے

یا توڑ ڈالیے یا وہ بچا لی شکست سے
فطرت کا آبگینہ کفِ شیشہ گر میں ہے

مل جائے گا حبابؔ کو بھی ساحلِ مراد
وہ بھی اسی سفینۂ شام و سحر میں ہے

ٹوٹنا اندر ہی اندر اور بکھرنا سیکھئے
شاعری کی مشق سے پہلے تڑپنا سیکھئے

اک نظر کے دائرے کی حد میں رہنا سیکھئے
ہر نظر کی فتنہ سامانی سے بچنا سیکھئے

اک نگہ چشمِ مست سے گرنا سنبھلنا سیکھئے
ڈوب کر گہرے سمندر سے ابھرنا سیکھئے

حسن پر مرنے کی خاطر زندہ رہنا سیکھئے
دل لٹا کر دل کی بربادی پہ ہنسنا سیکھئے

سیکھئے کانٹوں بھرے رستوں پہ چلنا عشق میں
دھیمی دھیمی آنچ میں گل کے مانند کھلنا سیکھئے

بے نیازانہ حوادث سے گزر جانا بھی عشق
دیکھنا اور دیکھ کر بھی کچھ نہ کہنا سیکھئے

کچھ نہ کہنا کہہ بھی جانا شاعری یہ بھی تو ہے
بات خاموشی کے پیرائے میں کرنا سیکھئے

فلسفہ ہو فن ہو نغمہ ہو کہ مشغلِ شاعری
ٹوٹنے والے کھلونوں سے بہلنا سیکھئے

غزل

آخر وہ مقام آیا وہ طرزِ کلام آیا
جب یاد کیا اسکو اسکا بھی پیام آیا

جب دل میں کسک اٹھی سینے میں چمک اٹھی
جب آنکھ چھلک اٹھی جانا کہ سلام آیا

وہ دیدۂ کامل ہی ہر جوہرِ قابل ہی
در پردہ ہر اک دل میں آہستہ خرام آیا

ہر ظرف کی قسمت ہے خمخانۂ وحدت سے
جو بادہ و جام آیا سب نام بنام آیا

ہم مست و خرابے ہیں غرقِ مئے ناب آئے
حالانکہ نہ مئے چھلکی گردش میں نہ جام آیا

مستانہ تو مستانہ آداب سے بیگانہ
مسجد میں وہ دیوانہ جب وقتِ قیام آیا

گو عشق بری شے ہے یہ بات اگر سچ ہے
اس راہ میں جو آیا اس راہ میں کام آیا

کوثر پہ جو میں پہنچا اک شور ہوا برپا
ساقی کا مقدم آیا رندوں کا امام آیا

کیوں غم ہو خیال اسکا در ہم میں نہیں تنہا
اس بزم میں جو آیا پابندِ نظام آیا

شاعری کو بانکپن کا پیرہن مل جائے گا
فکر کے خاکوں میں فن کا رنگ بھرنا سیکھئے

صدق ہو تو آنسوؤں میں آب ڈھل جاتا ہے فن
گر چھلکنا ہو گہر بن کر چھلکنا سیکھئے

کیا ضروری ہے کہ قد اپنا بڑھا لیجئے جمالؔ
آپ کو بیجا نہیے، آپے میں رہنا سیکھئے

غزل

پیکرِ عجز میں صد رنگ تماشا لے کر
آئے تھے ذرّے میں ہم وسعتِ صحرا لے کر

زخمِ دل، سوزِ جگر، داغِ تمنا لے کر
لوگ اٹھے ہیں تری بزم سے کیا کیا لے کر

لائے تھے دور سے فردا کے درخشندہ نقوش
ہم یہاں آئے تھے اک مشتِ تمنا لے کر

نہ ملا ہم کو محبت کا محبت سے جواب
ہم بہت دور تک آئے دلِ شیدا لے کر

کس کو بیدار ستاروں کا سناتیں پیغام
سو گئے لوگ ردائے شبِ یلدا لے کر

شب کی آغوش میں پلتا ہے زمانے کا فساد
جاگتے رہیے چراغِ غمِ فردا لے کر

قلعۂ حق کی نہ رکھی گئی اب تک بنیاد
لوگ آتے رہے تعمیر کا نقشہ لے کر

اونچے میناروں سے دیتے ہیں اذانیں ہم لوگ
فیصلے کرتے ہیں آئینِ کلیسا لے کر

کبھی رہتا ہی نہیں ایک نہج پر قائم
جائزہ وقت کا لو درد سہارا لے کر

کل بدل جائے گا انداز تخاطب تیرا
مصلحت اٹھے گی جب اسکا تقاضا لے کر

رستے زیست کے دشوار زمیں ناہموار
چلتے رہتے مرے شانے کا سہارا لے کر

غزل

کون و مکاں غم کدۂ تیرہ شباں اور
نظروں سے نہاں انجمن ماہ وشاں اور

نیرنگ نگاہی نہ حقیقی نہ مجازی
صورت ہے وہی ایک نہاں اور عیاں اور

کھینچا ہے کیے اہل خرد خطِ تعین
بڑھتا ہی گیا دائرۂ وہم و گماں اور

اس انجمن ناز میں بے ہوش ہی اچھا
ہوش آئے تو ایمان کا نقصان زیاں اور

واعظ نے سنا دین کے پیچیدہ مسائل
یاد آئے ہے پیچ شکن کے خم زلف بتاں اور

ہم کوہِ تجلی سے نہ الجھیں نہ اٹھینگے
بڑھتی ہی رہے برچھی برچھیاں اور

کرتے ہیں دھنکتی تری بیداد کی تشہیر

چمکے تری تعزیر کی شمشیر پرستاں اور

گر لیں وہ ہم کو بھی گلستاں سے نظارے

دو دن ہے تماشائے بہارِ گذراں اور

دیکھے گا دمِ رگ وہی شعلۂ آواز

اے شعلہ بجاں شعلہ بیاں شعلہ فشاں اور

اخفا کے تقاضے ہیں جلالِ عہد وفا ہے

اس دستِ تہِ سنگ پہ اِک سنگِ گراں اور

غزل

چین دل سے سخن رنگ فشانی مانگے

سخنِ رنگ فشاں کاوشِ جانی مانگے

تیغِ فن سے یہ زمیں آب رسانی مانگے

سنگلاخِ زمیں غالبِ ثانی مانگے

طائرِ فکر اگر بال فشانی مانگے

فطرۃً بسطِ فضا سے دو جہانی مانگے

درد سے کچھ جو یہ جان خفقانی مانگے

شرر آسا نفسِ جستہ نمائی مانگے

~~چشمِ حسرت سے مری مانگے تمنا کے چراغ~~

کلکِ بہزاد تو وہ خامۂ مانی مانگے

غم کی تصویر سے اشکوں کی روانی مانگے

چشمِ حسرت سے مری مانگے تمنا کے چراغ

ورقِ سادہ سے اشراقِ معانی مانگے

جوہرِ آئینہ سے چشمۂ حیرت پھوٹے

تشنگی چشم کی آئینے سے پانی مانگے

زلفِ خوباں کی طرح عشق میں بھی خم در خم

عشق پر تبصرہ کو شیخ ہمہ دانی مانگے

۱۰.۳.۵۰

عقل پابستۂ رسم و رہِ شہر نگاں

پائے ہمت سے جنوں دشت روانی مانگے

گردشِ وقت کا اعجاز کہ بربادیِ وقت

بوڑھے والوں سے مزگۂ کیلانی مانگے

رہِ تحقیق میں سالک سے تقیہ کا نصاب

دل کے احوال کی پیہم نگرانی مانگے

غزل

جادۂ عمر اور نشیب و فراز

زندگی اور کشمکش و تگ و تاز

جنبشِ ابروانِ کج انداز

اہلِ دل کو ہے تازیانۂ ناز

آرزو لطفِ عام کا اعجاز

حوصلہ اذنِ خاص کا غماز

نطق کو منصبِ ولایتِ راز

فکر کو بخششِ پرِ پرواز

کیا حقیقت نہیں ہے جانِ مجاز

رکھیے روشن چراغِ طاقِ نماز

آئینے میں نہاں ہے آئینہ ساز

آئینے پر بھی اک ردائے مجاز

ساز میں پردۂ زمزمہ پرداز

آئینہ پردہ، پردہ جلوہ طراز

ہو چکا تھا دلِ آشفتہ نماز

جب نہ کعبہ تھا اور نہ دشتِ حجاز

ہم اسیرِ خیالِ زلفِ دراز

ہم غزالِ قلم کا مایۂ ناز

دل کا سرمایہ دل کا سوز و گداز

نے کی میراث شعلۂ آواز

بجلیاں بھی نہ آئیں شوق سے باز

نفس بھی طرفہ آشیانہ ساز

آگہی دل کی، آتشِ دل سوز

شمع کی لو ازل سے شمع گداز

جو تو ہونے کی کوئی بات کرے

کیسا انجام اور کیا آغاز

قافلہ گم، تلاشِ محمل میں

ذرّے کو دیکھیے تو محملِ ناز

جز غزالِ خیالِ دل آرام

تیرہ مجنوں کا کون ہے دمساز

کبھی شعرِ جمالِ بیدل رنگ

کبھی مرہونِ رنگِ گلشنِ راز

غزل

اللہ ہی اللہ ہے اللہ غنی ہے
باقی جو ہے سب شعبدۂ برہمنی ہے

عالم ہے افسانہ اور افسونِ تماشہ
معجزۂ اعجازِ عیارِ زمنی ہے

محدود ہے یہ محیطِ عالم امکاں کا تسلسل
انجام بس اک طرفہ برہم زدنی ہے

کس طرح نہاں خانۂ دل میں ہوا اجالا
اذہان پہ اک چادرِ اوہام تنی ہے

حاصل ہی نہیں جب کہ فضا طرف وسعی ہی
اپنی یہ تگ و دو بھی ریاضت بدنی ہے

اچھا تو یہی ہے کہ تجھے سامنے رکھئے
ہر چند کہ ملنا ہی ترا ناشدنی ہے

ادراک و بصیرت کا نہیں اس پہ تصرف
پندارِ فراست کا مزاج اہرمنی ہے

ایسے بھی ہیں کچھ لوگ سرِ راہِ عزیمت
ہاتھوں میں ہے کشکول گلے میں کفنی ہے

[illegible]

غزل

وقت کا جائزہ لیے ہوتے
نظریے حال دیکھے ہوتے

بیٹھتے مل کے وضعِ گلشن پر
گفتگو ہوتی تجزیے ہوتے

تبصرے ہم پہ تم پہ ہوتے مگر
تبصروں پر بھی حاشیے ہوتے

ناحق اب ناخدا کا ساتھ ہوا
تکیہ ہم آپ پر کیے ہوتے

اپنے گیسو سنوارتے تم، ہم
ہاتھ میں آئینہ لیے ہوتے

میری آنکھوں سے دیکھتے دنیا
لوگ دنیا پہ ہنس دیے ہوتے

جھانک کر خود کو دیکھتے کیسے
ہم گریباں اگر سیے ہوتے

سرخ روئی کے کام آئے لہو
ورنہ ہم زخم سی لیے ہوتے

سنتے ہی اب کبھی نہ دل کی بات
تم مری طرح گر جیے ہوتے

کیوں بھٹکتا کوئی مسافرِ شب
ڈیوڑھیوں پر اگر دیے ہوتے

غزل

طوفاں نہاں بلا کی غضب شور و جوش ہے
کیا ہو سکے گریہ قلزمِ الفت خموش ہے

کیوں کر سنائیں غم کا فسانہ سنے یہ کون
جو ہے رہینِ غم ہے یہاں کس کو ہوش ہے

کیوں جاں نثارِ شمع ہیں پروانۂ جمال
کیوں شمع صرفِ نالۂ بیگانہ گوش ہے

کیا کہیے کیوں ہے سینۂ مہتاب داغ داغ
کیوں اپنی انجمن میں شبِ غم کا جوش ہے

آتش بجاں کواکب و سیارے سب کے سب
دل گیر چرخ گوشۂ انجم فروش ہے

جگنو سراپا آگ ہے حیراں ہوں دیکھ دیکھ
بے جاں سی شے ہے پہ سراپا خروش ہے

پانی بھی بجھ سکا نہ محبت کی آگ سے
اس فرطِ عشق ہی سے سمندر میں جوش ہے

ہر ذرہ کائنات کا وقفِ گدازِ عشق
ہر مظہرِ وجود تمنا بدوش ہے

ہر غم سے بے نیاز غمِ عشق نے کیا
فردا کی فکر ہے نہ سرِ رنجِ دوش ہے

نذرانۂ عقیدتِ غالب مرا کلام
سنتا ہے اسے جو گوشِ فصاحت نیوش ہے

شاعر نہیں نہ مفتی نہ ناصح نہ فلسفی
زاہد نہیں نہ شیخ نہ وہ خرقہ پوش ہے

عاشق ہے غم رسیدہ ہے آشفتہ سر ہے وہ
یعنی جمالی نام کا خانہ بدوش ہے

مالا بتوں کے نام کی جپنے لگا ہے دل
مانندِ آفتاب چمکنے لگا ہے دل

بننے لگا ہے خوب سنورنے لگا ہے دل
آغوشِ چشمِ یار میں رہنے لگا ہے دل

دامن کو سنگ و خشت سے بھرنے لگا ہے دل
صد شکر خوب در دشت پہ کھلنے لگا ہے دل

ہے کو نہیں، نہیں کو سمجھتا ہے دل کہ ہے
قدروں کو زندگی کی بدلنے لگا ہے دل

باقی نہیں رہا ہے من و تو کا امتیاز
یا بے خودی میں حد سے گزرنے لگا ہے دل

مل جائے گا کہیں نہ کہیں اس کا نقشِ پا
صحرائے جستجو میں بھٹکنے لگا ہے دل

جانِ جہاں ہے کہ نہیں جانِ جہاں ہے کہ نہیں
وہ نہاں ہے کہ نہیں ہے، وہ عیاں ہے کہ نہیں

جلوہ در جلوہ ہے پردہ لیے پردہ، پردہ
پیشِ آئینہ بھی آئینہ نہاں ہے کہ نہیں

نہ تو ادراکِ حقیقت، نہ نگاہوں کو فروغ
اپنی بیداری بھی اک خوابِ گراں ہے کہ نہیں

عشق کی دیکھ زاہد تجھے کیا اور دلیل
دل ترا مائلِ عنبرفشاں ہے کہ نہیں

پھر مجھے آئی ہے کیوں جیب و گریباں کا خیال
میری جانب نگہِ پیرِ مغاں ہے کہ نہیں

کچھ تو مرتا ہے تہِ گل رنگ میں بھی سوز و گداز
سنگِ دل ٹوٹ کے بھی شعلہ بجاں ہے کہ نہیں

لیں تو ہے بھی جنوں کی تو رعنائی ہماری
داغِ دل مرحمتِ نازِ بتاں ہے کہ نہیں

تیری آغوش میں اس عشرتِ امروز کے ساتھ
نشۂ فردا بھی قریبِ رگِ جاں ہے کہ نہیں

خوشبو ترے دہن کی نسیمِ شمال میں
تیرے ہی لب کا قند ہے آبِ زلال میں

مستی ترے نگاہ کی چشمِ غزال میں
تیرا ہی رم تخیلِ آہو خصال میں

غمازۂ سحر ترے عکسِ جمال میں
محشر بکف قضا ترے پائے جلال میں

انداز کا کرشمہ نہاں خد و خال میں
تجدیدِ روز و شب میں کمال و زوال میں

پیغامِ زندگی کہ پیامِ نشاطِ دل
تیرے ہی لب کی جنبشِ فرخندہ حال میں

تیرے بغیر کیسے ہو محسوس قربِ ذات
کس طرح لاؤں تجھے قیدِ مثال میں

پھر اپنی جستجو میں نکلتا ہوں سوئے دوست
کشکولِ دل اٹھائے میں دستِ سوال میں

کیا جانے کس نظامِ محبت پہ کیا بنے
کوئی نہیں ہے دائرۂ اعتدال میں

دیوانگانِ عشق پہ ٹوٹا ہے آسمان
ڈوبی ہے کہکشاں عرقِ انفعال میں

نالوں سے اہلِ درد کے ماحولِ نیم شب
ہموار کی دوپہر کی طرح اشتعال میں

یا مصلحت کے پیشِ نظر تم بدل گئے
یا فرق آگیا ہے ستاروں کی چال میں

یہ لطف کم نہیں کہ کسی کو خبر نہیں
کس رنگ کی شراب ہے جامِ سفال میں

مشہوروں میں اب خیال کی بے سود ہے تلاش
اس کے نقوش ڈھونڈیے وحشتِ مثال میں

ستم کے باب میں شیوہ شکن جدت طراز آئے
من و تو کے تفاوت سے وہ یکسر بے نیاز آئے

ادائے دلبری میں لے کے طرزِ دل نواز آئے
تبسم اختیار آئے تکلم احتراز آئے

رخِ زیبا کی تنویروں میں ٹھنڈی چاندنی لائے
لئے زلفوں کے سائے میں فسونِ شب دراز آئے

غزالاں ہم شہیدوں کے ٹھکانوں سے بھی ہو لینا
بہاروں میں اگر تم کو خیالِ عشقِ ناز آئے

خرد پابستہ اور دار و رسن کا مرحلہ آگے
ذرا آواز دے دینا جنونِ کارساز آئے

نکل کر خیر و شر کی سرحدوں سے تیرے دیوانے
کبھی بتخانہ جا پہنچے کبھی سوئے حجاز آئے

سبب کیا محتسب یہ بھی لبِ عنوانِ جنوں لکھدے
نہ رحمت میں کمی آئی نہ ہم عصیاں سے باز آئے

اٹھا لائے کہاں مسجد میں تم ہم سے دوانے کو
قرینہ ہی نہ سجدوں کا نہ آدابِ نماز آئے

رہے میخانے میں ہم سر جھکائے پائے ساقی پر
خدا کے گھر میں ہم آئے تو سر تا پا نیاز آئے

یہی قبلہ، یہی کعبہ، یہی طورِ تجلّی ہے
اسی ٹوٹے سے دل میں اک ذرا سوز و گداز آئے

قدم جب ڈگمگائے جستجو میں شورشِ غم سے
تو آڑے آپ ہی آخر سرِ راہِ مجاز آئے

جمالؔ اس سنگِ در کی جبہ سائی رنگ لے آئی
جہاں تم سرنگوں ہو پھر جہاں سے سرفراز آئے

غزل

ہم کو یوں درسِ فنا اہلِ صفا دیتے ہیں
شمع بن جاتے ہیں، پروانہ بنا دیتے ہیں

پہلے چنگاری کو تھوڑی سی ہوا دیتے ہیں
دل میں پھر عشق کی اک آگ لگا دیتے ہیں

گل عذاراں یہ کرشمہ بھی دکھا دیتے ہیں
دلِ ناکارہ کو آئینہ بنا دیتے ہیں

قیس بن جاتا ہے دیکھو تو طلسمِ تاثیر
قیس کا جس کو وہ افسانہ سنا دیتے ہیں

مہرباں جس پہ مشیّت ہو اے اہلِ نظر
جادۂ عشقِ بلا خیز دکھا دیتے ہیں

مکتبِ عشق کا بس یہ ہے نصابِ تعلیم
الف اللہ کا سالک کو پڑھا دیتے ہیں

مسئلہ دل کا نہیں دل کے خریدار کا ہے
گاہک اچھا ہو تو ہم دام گھٹا دیتے ہیں

عشق کے باب میں جب ہم سے الجھتا ہے کوئی
اپنے قاتل کا پتا اس کو بتا دیتے ہیں

شام ہونے کو ہے صحراؤں میں اندیشہ ہے ہم
ہر گم گشتہ کو ہر سمت صدا دیتے ہیں

جس نے سکھلا دیئے آدابِ محبت کے جمالؔ
یاد آتا ہے تو ہم اس کو دعا دیتے ہیں

غزل

تو ہے جانِ گلستاں، گل، برگ، شبنم، رنگ و بو
ہم سراپا گریہ، حسرت، تشنگی، غم، آرزو

تکیہ ہے بالنگاں تو سایہ گستر تری زلف
ہم تھکے ہارے مسافر، لیستۂ خم دلوار جو

دل ازل سے زخم جو اس پر حسنِ اتفاق
ہے وہ شوخوں کی ہر نظر شمشیرِ دم بیباں خو

میکدے میں کر نہ زاہد پاکیٔ داماں کا غم
صبح تک کر لینگے ہم با دیدۂ نم شستشو

کیا ضروری ہے کہ دامن فصلِ گل میں دیکھئے
جب خزاں آجائیگی کر لینگے ہم دامن رفو

شیخ کو کارِ نصیحت، خوفِ عقبیٰ، فکرِ خویش
کارِ درویشاں یہی بس، دم بہ دم اللہ ہو

یہ بھی ہو شاید جمال اظہارِ معنی کا فسوں
رات بھیگے ہی رہے کانوں میں پیہم گھنگرو

غزل

سماعت نہیں موعظت نوش گویا
جہاں سب کے سب ہی ہے مدہوش گویا

ہم دیدۂ التجا گوش گویا
نما شنیدۂ طبعِ خاموش گویا

فشارِ تبسم سے ہر زخم دل کا
ہے لعلِ بدخشاں پرجوش گویا

جنوں کی حلاوت سے ہیں مہر بر لب
مگر فکر تحقیق بر دوش گویا

دلوں کے اندھیروں کی سرگشتگی میں
زمین و زماں سب سیہ پوش گویا

ہے امروز آئینۂ روئے فردا
کھنڈر کیا ہے آئینہ دوش گویا

جو بستی تھی دلواریں ڈھیر ہیں سب
ہے ویرانہ عبرت آغوش گویا

اڑا لے گئی گردِ بادِ حوادث
مرا رنگِ رخ، رنگ روپوش گویا

تجھ کو جب آئینہ سامنے ہو
دو عالم دلوں سے فراموش گویا

جبیں دیکھ کے پائے رہنما پر ہوئے ہم
وہاں خرد سے سبکدوش گویا

مجھے شب کو اتنی پلا دی بٹھا کر
میں سمجھا کہ ساقی ہے مدہوش گویا

نشہ کس کو آنا تھا ساقی تو واللہ
طلسمی تھا ظرف بادہ نوش گویا

کیا یک کسی نے توجہ جو ڈالی
مجھے آ گیا بے محل ہوش گویا

خیال اس کی مشق جفا پر بھی خرم
رہِ عشق میں نیش بھی نوش گویا

غزل

دکھا کر ہمیں آئینہ خانہ خوش ہے
بنا کر ہمیں اپنا دیوانہ خوش ہے

ہے آئینہ خوش خود نمائش پہ اس کی
الجھ کر خمِ زلف میں شانہ خوش ہے

عجب چیز ہے لذتِ آشنائی
جلا کر پر و بال پروانہ خوش ہے

اسے کیا خبر آئے کل یا نہ آئے
مگر کل کے وعدے پہ دیوانہ خوش ہے

نہیں دشت وحشت میں شرکت کسی کی
اس آغوش راحت میں دیوانہ خوش ہے

نہیں داغِ دامن کی قاتل کو پروا
لہو کا مرے لے کے نذرانہ خوش ہے

تہِ خاک بھی جہدِ پیہم کا عالم
گدازِ نمو سے شجر دانہ خوش ہے

صبا صبح دم سوئے بطحا سفر میں
ادا کر کے ہر گام دوگانہ خوش ہے

؏: خرابات میں عیب کیا ہے نظیری

دوانہ یہاں خوش ہے فرزانہ خوش ہے

خیالِ آگہی دل کی، دل کی مصیبت

دلوں کی حقیقت سے بیگانہ خوش ہے

ترجمہ شعرِ نظیری

در خراباتِ نظیری عیب نیست

ہست دیوانہ خوش و فرزانہ خوش

غزل

کیا کیا مری چشمِ حیراں کے آئینۂ منظر سار میں ہے

خمیازۂ حشر آثار بپا اس عالمِ پر اسرار میں ہے

پہنائیِ نُہ ستہ افلاک نہاں اک ذرۂ تابش کار میں ہے

سیرابیِ ہفت اقلیمِ جہاں اک قطرۂ قلزم بار میں ہے

ہرچند کہ انساں ساعت کی اس منزلِ گیرودار میں ہے

فردا کی نمودِ نغمہ فشاں آفاقِ سحر آثار میں ہے

چھٹ جائے گا اک دن ابرِ گماں اک روز اٹھے گا پردۂ جاں

اک روز کھلے گا رازِ نہاں جو گردشِ لیل و نہار میں ہے

آشوبِ جہاں پر حیرت کیا، اس میں بھی نہ ہوگی حکمت کیا

تل گُل جیسے رخسار پہ بجا، خم گیسوئے عنبر بار میں ہے

رحمت سے ہے اسکی حسنِ ظن، کیا ہوگا نہ مستقبل روشن

فطرت کے تقاضوں کی ہی بھنک تکفیرِ محک بردار میں ہے

ایمان عزیمت، فکرِ نظر، رکھتا ہی نہ ہو کچھ رختِ سفر

سمجھو وہ مسافر جو ہی پا اک وادیِ ناہموار میں ہے

ہنسیو نہ کسی کی خرابی پر، کیا جانے کہاں تک جا پہنچے

وہ رخنہ جو فی الحال میاں ہمسائے کی دیوار میں ہے

اے اہلِ جنوں تیز قدم رکھنا ہے ہمیں ہمت کا بھرم
گو معرکۂ تاریخ رقم، اک مرحلۂ دشوار میں ہے

وہ راہ دکھاتا آئے گا، روحوں کو جگاتا آئے گا
وہ رہبرِ خوش گل چہرہ قدم جو تیغ بکف پیکار میں ہے

بدلا نہ چلن دہر کا، بدلا نہ فلک رنگ
ناشاد کو ناشاد ہی رکھنے کے ہیں سب ڈھنگ

تم حسن کے پندار میں سرشارِ تغافل
پیمانِ وفا باندھ کے، ہم دستِ تہِ سنگ

تم خلوتِ اوراق میں اسرار پہ خنداں
پیچاکِ معانی کو یہ ہم ابجدی کے ہیں دنگ

صحراؤں کی وحشت نے ادھر خاک اڑا دی
پر ہم نہ ہوئے رخ پہ اُدھر کا گلِ شبرنگ

لے کیسے بڑھیں راہی نہ تو جہد پرستش نہ توجہ
ہر گام میان کشمکشِ زیست میں فرسنگ

اب جو بھی گزر جائے تم آؤ کہ نہ آؤ
کرتے ہی چلے آئے ہیں حالات سے ہم جنگ

جیتے ہیں نہ مرتے ہیں نہ حیرت نہ تاسف
یہ عشق کا اعجاز ہے یا وقت کا نیرنگ

تھے جب کہ ہم عشق سے بیگانے وہ نہیں ہیں
دنیا میں صدا جیسے بہت دور کا ڈھنگ

غالب نہ ملا دل کا نشاں کچھ بھی جز آہ

ہری کف خاکستر و بلبل قفس رنگ

آتے ہیں تو جب ایسے خیال آتے ہیں کچھ یاد

یادوں سے تخیل کا حرم غیرت اورنگ

دل پہ جب پہلے پہل زخم لگایا ہوگا

اور کسی ہاتھ نے سینہ بہت آیا ہوگا

ناوک ناز جو اس سمت چلایا ہوگا

کیا تڑپنے کا سلیقہ نہ سکھایا ہوگا

بے سبب زلفوں کو رخ پہ نہ جھکایا ہوگا

ہم کو کچھ سوچ کے دیوانہ بنایا ہوگا

جس نے خوابیدہ عناصر کو جگایا ہوگا

کیا خیال اس کو نہ انجام کا آیا ہوگا

خم ادراک سے ساقی نے پلایا ہوگا

عشق کے باب میں کیا کچھ نہ بتایا ہوگا

حسن ایجاد کا سب رنگ دکھایا ہوگا

پردہ کونین کے چہرے اٹھایا ہوگا

ایجاد

کی ہو گر شوخ نگاہی نے مکاں کی ایجاد

دہر اعجازِ تبسم سے بنایا ہوگا

پیکرِ گل کو فرشتوں کا بنا کر مسجود

عاجزی کا بھی تو انداز سکھایا ہوگا

خود وہ عنبر میں بسائے جو تجھے پیراہن پر

بے نیازی کا بھی اک رنگ چڑھایا ہوگا

دل کے فن پارے کی ہے بوقلمونی تشکیل

اس کو کس شوق و توجہ سے بنایا ہوگا

ہوگی

مرتعش کیا نہ ہوئی ہوگی فضائے ملکوت

راگ دیپک کا جو ہم نے کبھی گایا ہوگا

ہم گنہ گار ہیں اور غم نہیں فردا کا بھی

کالی کملی کا گنہ گاروں پہ سایہ ہوگا

پھر حجاب آج ہلا تک نفسِ حمد طلب

لب کے میخانۂ الہام سے آیا ہوگا

ڈرتے ہیں نسترن سے گل و یاسمیں سے ہم

مانوس ہیں تجلیٔ رنگ آفریں سے ہم

صبح ازل عدم کے شبستاں میں خواب تھے

جاگے کرشمۂ نفسِ عنبریں سے ہم

اب ہم ہیں اور عشق کا اک مکتبِ خیال

باز آئے فلسفے کی چناں و چنیں سے ہم

اس عشق ہی سے رنگِ صنم خانۂ خیال

یہ رنگ عشق لائے ہیں بامِ یقیں سے ہم

لالہ رخوں سے ملتے ہیں رہتے ہیں روز و شب

ہر چند بیٹھے رہتے ہیں گوشہ نشیں سے ہم

دیوانگاں پہ قید نہیں ہے مکان کی

کرتے ہیں سیرِ دشتِ جہاں ہیں وہیں سے ہم

آیا ہمارے لب پہ نہ شکوہ بھی صبح و شام

بیٹھے رہے اک عمر خمِ دستِ نگیں سے ہم

جھک جھک کے ہم کو کرتے ہیں اہلِ نظر سلام

آئے ہیں گل عذاروں کی بزمِ حسیں سے ہم

غزل

دل کہاں دستِ بُردِ ناز کے بعد
سر کہاں سجدۂ نیاز کے بعد

اور کیا ہوگا کوئی طرزِ ستم
ستم طرزِ دل نواز کے بعد

ختم اس بت پہ ہو گئی نازش
میرے اک سجدۂ نیاز کے بعد

بت کدے کی ہیں زیب و آرائش
یاد کرتا ہوں ہر نماز کے بعد

من و تو، این و آں نہیں اس میں
عشق کیا عشقِ امتیاز کے بعد

رات نکلا تھا ریشماں سا
چاند اک مدتِ دراز کے بعد

رات ہر طرف مژدہ یہ کھلا
ایک ہی راز، راز کے بعد

نہ ملا دوسرا کوئی محمود
نہ کوئی دوسرا ایاز کے بعد

جا ملے لوگ اہلِ باطن میں
ایک ہی رات کی نماز کے بعد

یاد قاتل کو آ گئے مرحوم
دل لگاؤں سے ساز باز کے بعد

دل کی دنیا سنورنے لگتی ہے
صدمۂ عشق جاں گداز کے بعد

لے تند ہو گیا جمال آخر
سخن اپنا شکستِ ساز کے بعد

غزل

جوششِ خروشِ عقیدگی، رسمِ گرفتگان کی ہے
میکدہ یقیں کی ہے، حلقۂ عارفاں کی مے

دیکھئے اور کیا جواب، پرسشِ لاجواب کا
پی کر حرم سے آئے ہیں کھینچی ہوئی مغاں کی مے

اپنی نماز عجز کیا، کعبۂ دل کے سامنے
سر کو جھکائے مانگنا شیشۂ کن فکاں کی مے

لذتِ شغلِ مے کشی بزمِ سمن وشاں میں ہے
محفلۂ اعتکاف میں کیسا نشہ کہاں کی مے

سجدۂ جمال میں، کیفیتِ وصال میں
پیتے ہیں جام قدس سے، مخزنِ لامکاں کی مے

سوسنِ چشم رنگ بیز رات جو ملتفت ہوئی
دل میں اتر گئی تمام ساغرِ ارغواں کی مے

گرم سے گرم تر ہوئی رات بساطِ میکدہ
تند سے تند تر ہوئی کاسۂ شیشہ ہاں کی مے

نکھرے گا اور یہ بہ پے شوق کی اس دھنک کا رنگ
ساقی پلائے جا مجھے، صدقہ تجلی رخاں کی مے

کیوں نہ ہو عشق کا بیاں فکر فزا نشہ اثر
ساغر نطق میں بھری جوشش تاک ہاں کی مے

شعر اقبال میں اثر کتنا ہے یہ نہ دیکھئے
اردو کے گل پیالوں سے پیجئے اصفہاں کی مے

غزل

تحیر میں تجلی کی فراوانی نہیں جاتی
عجب کام کر جاتی ہے حیرانی نہیں جاتی

نگاہوں سے بتوں کی خندہ پیشانی نہیں جاتی
دلوں کے آئینوں کی گل بدامانی نہیں جاتی

خوشا اے جوشش زندہ دلی کیسا مقام آیا
ہمیں ہم ہیں، ہماری جلوہ سامانی نہیں جاتی

خدایا خود فراموشی کی آجاتی وہ منزل بھی
کہ آئینے میں صورت اپنی پہچانی نہیں جاتی

صدف کی طرح غرق بحر غم رکھتے ہیں ہم دل کو
تہ دریا تک موجوں کی طغیانی نہیں جاتی

کھنڈر دیکھے نہ ہوں گے دل کہ حسرت آپ کیا جانیں
کہ آجاتی ہے ویرانی تو ویرانی نہیں جاتی

دل عاشق کو اک سوز دروں بیتاب رکھتا ہے
کبھی صحرائے شوریدہ تک زمستانی نہیں جاتی

بندھے رہتے ہیں جب تک رشتہ آداب خلوت سے
فقیروں کے کف خالی سے سلطانی نہیں جاتی

پڑی ہے جب سے میری خاک پر خاکِ رہِ طیبہ
مری سانسوں سے خوشبو کی فراوانی نہیں جاتی

لیا ہے جب سے مجھ کو سایۂ رحمت میں آقا نے
مرے سجدوں سے بوئے مشکِ ختانی نہیں جاتی

غزل

نوروز بہ رخ آیا ہنگامہ بدوش آیا
خمیازہ بجاں دیکھو وہ دشمنِ ہوش آیا

وہ نین کٹوروں میں لے کر مئے نوش آیا
ہنگامِ سحر خنداں جب بادہ فروش آیا

جب خامۂ گلفشاں کو پیغامِ سروش آیا
دریائے فصاحت کی امواج میں جوش آیا

ہر حرف گل و لالہ ہر لفظ بنا گلشن
جب گنجِ محبت پر دل تجربہ کوش آیا

مشمولِ لغت کب ہے وہ قصۂ لوطانی
وہ وقتِ عدم جس میں امروز و دوش آیا

مے خانۂ عرفاں میں یہ رسم عجب دیکھی
پھر ہجر کے ملبوس جب مدہوش کو ہوش آیا

سیرِ مہ و انجم کو دل لے گیا کل شب
افلاکِ معانی سے فردوس بگوش آیا

گونج اٹھی فضا ساری تاروں کی چھنا چھن سے
سازِ دلِ وحشی جب سرگرمِ خروش آیا

اک گلشنِ رعنائی دامن میں لئے لوٹا
جب خیمۂ وحشت سے نامہ برِ ہوش آیا

طے کر کے خیال آیا صحراؤں کی مسافت کو
فن کے درِ دولت پر جب خامہ بگوش آیا

غزل

زلف کو دیکھو تم اپنا رخِ زیبا دیکھو
آؤ زلفوں سے مری شام سویرا دیکھو

آئینہ دیکھو ذرا دیکھو بیاضِ گردن
شب اجالوں سے اٹے اپنا اجالا دیکھو

لالہ و گل سمن و سنبل و سوسن حیراں
دیکھ پیراہنِ رنگیں کا کرشمہ دیکھو

اچھی صورت میں نہاں کیا ہے تو جھوم کے
چاند کو دیکھو ذرا چاند کا ہالہ دیکھو

جھوم کے آئے جو میں ٹوٹ کے برسے بادل
اپنے بالوں کو ذرا شانوں پہ پھیلا دیکھو

کس کی فرقت کے نتیجے میں بنا ہوں جوگی
کس کے چاہت کی گلے میں ہے یہ مالا دیکھو

کچھ قریب آکے ہی اک جائزہ لے سکتے ہو
دیکھنا کیا کہ یوں ہی دور سے بیٹھا دیکھو

غزل

کس نے کہا کہ زخمِ جگر بولتے نہیں
کیا ماورائے حرف، بشر بولتے نہیں

دل کی اثر پذیری میں محکم دلیل ہے
کیسے کہوں کہ فن و ہنر بولتے نہیں

اُٹھ کر سروں میں وہ بھی سمائی ہے بےخودی
ہر چند دشت و کوہ و کمر بولتے نہیں

کون رقصاں سے اُٹھتی ہے اک صوتِ سرمدی
ہم محوِ نغمہ ہو گئے ہیں گر بولتے نہیں

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو
بے اذنِ خاص اہلِ نظر بولتے نہیں

سیکھا برہمنوں سے بتوں نے بھی اجتناب
لب ہائے لالِ شعبدہ گر بولتے نہیں

میں ہوں مرا وجود ہے وہ مجھ میں سا گئے
آئینے جیب میں، آئینہ گر بولتے نہیں

کس سمت جا رہے ہیں تو کہتے نہیں
بے جا رہے ہیں اور خضر بولتے نہیں

یہ جمع لیجو تمہیں دل میں لیے بیٹھا ہوں
بھری محفل میں اگر تم مجھے تنہا دیکھو

روز و شب ایک تری کاکلِ مشکیں کا خیال
خواب میں دیکھو تو اس کالی بلا کا دیکھو

یعنی عنوانِ غزل شانِ سخن جانِ جمال
کبھی تنہائی میں غزلیں مری دہرا دیکھو

یاں کھولتے نہیں کبھی ہم جیبِ احتیاط
جا ہم فقیرِ خاک بسر لوٹتے نہیں

دیکھو کبوترانِ حرم کو بھی چھیڑ کر
اُڑ جاتے ہیں وہ جھاڑ کے پر لوٹتے نہیں

چپ بیٹھے ہیں جمالِ سرِ بابِ التفات
آداب در ہے پیشِ نظر لوٹتے نہیں

وقت کو وقت سے ہر چند گریزاں سمجھا
جاوداں سلسلۂ لمحۂ گزراں سمجھا

فکر کو شانہ کشِ کاکلِ پیچاں سمجھا
شعر کو آئینۂ ذرۂ حیراں سمجھا

گو زمانہ اسے اک گوشۂ ویراں سمجھا
عشق دل کو حرمِ پردہ نشیناں سمجھا

نہ کوئی دشمنِ ایماں نہ مسلماں سمجھا
کچھ جو سمجھا مرے نالوں کو تو غزل خواں سمجھا

دل تو مقتل کو بھی نزہتِ گلزاراں سمجھا
خون کو غازۂ رخسارِ شہیداں سمجھا

تیرے سر کی قسم ایسا بھی ہوا تیرے بغیر
برق کو اپنے نشیمن کا نگہباں سمجھا

وہی ادراکِ معانی وہی آیات رسی
دلِ دیوانہ کو بھی حافظِ قرآں سمجھا

موجِ دریا کو جو دریا سے گریزاں دیکھا
اضطرابِ دلِ دریا تپشِ جاں سمجھا

زخمِ دل ہی کے حوالے سے ہیں گُل تک پہونچا
خندۂ گُل کو نقابِ رخِ جاناں سمجھا

دینے والے نے مجھے درد دیا ہے لیکن
اس قرینے سے کہ میں درد کو درماں سمجھا

یہی درویشی کا ہے دیدۂ اثاثہ ٹھہرا
بوریا جس کو وہ اورنگِ سلیماں سمجھا

پھر وہ کہتا رہے کچھ آج نہ جانے کیا کیا
میں بھی دل کو یہی کہتا کہ ہاں ہاں سمجھا

یوں جلالؔ اسکو تغزل ہی سے پرکھو تو
دل کو فطرت کی غزلیات کا دیواں سمجھا

کہاں سے ہم کہاں پہونچے غبارِ رہ گذر ہوکر
فلک کے جائزے لیتے ہیں ہم بے بال و پر ہوکر

وہ در پردہ رہے در پردہ، بباطن پردہ در ہوکر
وہی خود انجمن آرا، بظاہر مستتر ہوکر

اُدھر دیکھو تو کوئی ماورا ہے بے خبر ہوکر
نظر ملتی گئی بام و در سے جزوِ بام و در ہوکر

نکل کر عشق کے مکتب سے دیوانے کہاں جائیں
پتہ اپنا ہی کھو بیٹھے ہیں سر تا پا خبر ہوکر

مقام آئے نہ منزل ہی کوئی راہِ محبت میں
یہاں چلتے ہیں راہی منزلوں سے بے خبر ہوکر

محبت اسکو کہتے ہیں، نظر ہم اس کو کہتے ہیں
کہ رہ جائے محبت میں نظر، حسنِ نظر ہوکر

ہماری بے خودی کا یہ بھی اک ادنیٰ کرشمہ ہے
سمٹ آتی ہے پیمانے میں دنیا مختصر ہوکر

[illegible]

غزل

پھر دل کا ایک آبلہ پھوٹا نہ جانے کیوں
پھر جوش میں ہے اشک کا دریا نہ جانے کیوں

اُدھڑا جگر کے زخم کا ٹانکا نہ جانے کیوں
پھر آگیا خیال کسی کا نہ جانے کیوں

کیا ہے کہ آج ضبط کا یارا نہیں رہا
ٹپکا مژہ سے خون کا قطرہ نہ جانے کیوں

اللہ آج رات گزر جائے خیر سے
ہے شام سے ہی سینے میں دھڑکا نہ جانے کیوں

دن میں بھی بام و در پہ اندھیرا ہے رات کا
دل ہو گیا دکھوں کا بسیرا نہ جانے کیوں

چھڑتی ہے جب گذشتہ بہاروں کی داستاں
آتا ہے ذکر میرا تمہارا نہ جانے کیوں

دل کا بھرم حجاب سے ہونٹوں کی چپ رہا
لوگوں کے بیچ آج یہ دکھڑا نہ جانے کیوں

اتر نہ جاتی ادا دل میں دلربائی کی
تو کیسے کھینچتے ہم سختیاں جدائی کی

یہ دردِ دل یہ تپِ عشق اے سبحان اللہ
ادا کسی سے ہو کیا قیمت آشنائی کی

رہِ وفا میں کبھی جب کٹھن مقام آیا
دلِ حزیں نے وہیں بڑھ کے رہنمائی کی

تری تلاش میں کس کس مقام سے گزرے
کہاں کہاں نہ گوارا جبیں سائی کی

یہ میرے بخت رسا ہی میں لکھ دیا ہوگا
لٹے بہاروں میں خلشِ دلِ نارسائی کی

یہ رختِ جان و نفس اور یہ خاکِ دامن گیر
علاوہ اس کے ہی سفر اور شکستہ پائی کی

دھروں میں خنجر و بازو پہ تیرے کیوں الزام
رگِ گلو پہ ہے لالی کفِ حنائی کی

پسند ہے جانے یہ اے جانِ جہاں تو رہنے دے
مری نگاہوں میں تصویر کج ادائی کی

جو لب میں ہو تو میں تصویر اپنی پیش کروں
مٹا کے جتنی لکیریں ہیں خود نمائی کی

سنا رہا تھا مناجات موسمِ گل میں
مری نوا نے بھی بلبل کی ہمنوائی کی

جمال جیسے ہو ویسے دکھائی دیتا ہو
سند ملے گی تمہیں کیسے پارسائی کی

غزل

گر کشفِ ماورائے حجابات چاہیے
کسبِ فیوضِ اہلِ خرابات چاہیے

اے دل اگر تلافیِ مافات چاہیے
قطعِ فضول و ترکِ سماجات چاہیے

خم تبکدے میں چاہیے ہر دم سرِ نیاز
اور برہمن سے ترکِ موالات چاہیے

نابود و بود کے نظری تجزیے کے ساتھ
عرفانِ سرِّ ذات و منافات چاہیے

بس جزو و کُل کا فرق ہے خم ہو کہ جزو ہو
کُل کا ہر ایک جزو میں اثبات چاہیے

جس کی نگاہ تیغِ دو دم کا جواب ہو
اس کی جان و دل سے مدارات چاہیے

کوئی تو ہوگا اِن میں کبھی مائلِ کرم
خوش طلعتوں سے بڑھ کے ملاقات چاہیے

دل سے ہو دل کو راہ، زباں بند گوش بند

در پردہ عرضِ صورتِ حالات چاہیے

دل ہی پہ لکھے جائیں محبوب کے پیام

دل کا مطالعہ ہمیں دن رات چاہیے

ہو جائے تا کلام نقیب اپنی جان کا

سعیِ شکستِ رسم و روایات چاہیے

مل جائے گی سخن کو معانی کی جلوہ گاہ

تنظیم و ربطِ خیل خیالات چاہیے

فکرِ رسا کے ساتھ جمالِ ادب سرشت

تنویرِ ماورائے حجابات چاہیے

کشتیِ دُرِّ عدن نیل گگن آج کی رات

چاندنی سے یہ زمیں بحرِ لگن آج کی رات

ہر نفس مرحلۂ دار و رسن آج کی رات

یاد آئی ترے گیسو کی شکن آج کی رات

رکے غمِ خانۂ ماضی سے چلی آئی ہے

ساغرِ حال میں صہبائے کہن آج کی رات

سرخیٔ عارضِ تمنا وہی شعرِ سودا

وہی اے خانہ برانداز چمن آج کی رات

آج کی رات تخیل پہ تری دارائی

دل کا کاشانہ ترا راج بھون آج کی رات

منطق و فلسفہ و فکر بہ طاقِ نسیاں

تری انگڑائی ہے موضوعِ سخن آج کی رات

جیسے اچھی سی غزل جیسے شگفتہ نغمہ

حافظے میں ترا کُندن سا بدن آج کی رات

آج کی رات مدھر اگن کے رس میں ڈوبی

بھیگی بھیگی سی ہے پورب کی پون آج کی رات

ترا پندار تو ہی مری ہستی پہ محیط

مرا اقرار کہ تن مرا نذرِ من آج کی رات

کیا جمال آپ کو سوجھا ہے بتوں رکھ نقش

بدلا بدلا سا ہے اندازِ سخن آج کی رات

غزل

اب مرا وہ کیا تھیں سوچ نہ ابھی کیوں کر یہ کبھی ہم کھو آئے

کچھ ایسے لمحے وقت کے تھے دل قلزمِ حزن میں ڈبو آئے

طغیانیِ ذہن بدل نہ سکے سطروں میں طرب کے وہ ڈھل نہ سکے

پلکوں کی شگفتہ مزاجی کے رہ رہ کے مضامیں گو آئے

یہ سوچ کے اگلے موسم پر اُگ آئیں گُل عذارِ فصلِ نظر

ندرت کی فدائی آنکھوں کو ہم کشتِ وفا میں بو آئے

کچھ گیت لکھے کچھ شعر کہے برباد ہوئے پر یہ تو ہوا

اشکوں کے گلابی دانوں کو ~~[illegible]~~ نشتروں میں سخن کے پرو آئے

جب آنچ دکھائی دوری نے جب دودِ تنورِ سینہ اٹھا

ہم اپنی تشنہ پلکوں کو شبنم میں اتار کے بھگو آئے

اس کی بھی خبر اے محتسبو کیا تم کو پہنچتی رہتی ہے

جو صبح سے پہلے دامنِ دل میخانے میں جا کر دھو آئے

اس راہ میں دھول اڑتی ہی نہیں چلیے تو زمیں ملتی ہی نہیں

دیکھو تو کہیں ہے گردِ سفر ہم جا کے حرم سے ہو آئے

جوں بادِ صبا تم آئے گئے پھر حبس وہی مجبوری کا
اس آنے کو آنا کون کہے تم آئے تو جانے کو آئے

وہ لولوئے مکنوں حوری ہو یا خاکِ نگر کی کوئی پری
دل بھی تو خدا کا گھر ٹھہرا ان دو جہاں اب جو آئے

استعاروں میں حقیقت سخن آرا تو نہیں
کربِ خمیازۂ راحت کا اشارہ تو نہیں

پھر کسی نے کہیں زلفوں کو سنوارا تو نہیں
دیکھیو حال کو ماضی نے پکارا تو نہیں

گلشنِ دل پہ ہے کیا تیری توجہ کی بہار
رنگ زخموں کا تبسم نے نکھارا تو نہیں

ڈھلتی جاتی ہے غزل میں تیری ناوک نگہی
کفِ ادراک میں قسمت کا ستارا تو نہیں

بھرتے ہی جاتے ہیں تمناؤں کے چھوٹے بڑے زخم
زخمِ آگاہی کا لیکن کوئی چارہ تو نہیں

دلِ پرخوں کو جو دکھاتی ہے طپش آوارہ
میری خاکستر ہمت کا شرارہ تو نہیں

کبھی ہوتا ہے کبھی پاس نہیں بھی ہوتا
ہوش کا دل پہ فقیروں کے اجارہ تو نہیں

دل صحیفوں کا صحیفہ ہے ادب سے رکھئے
چھوڑئیے خبروں کا کوئی تازہ شمارہ تو نہیں

میری آشفتگیِ حال میں بھی خیر خیال
چاکِ دامانِ گُل، گُل کا خسارہ تو نہیں

روزِ مشرق سے ہی خورشید نکلتا کیوں ہے
شامِ مغرب کو یہ نظارہ گوارا تو نہیں

دلِ سادہ ہے عبادت گہِ الفت اس میں
فتنہ پرداز کوئی خفیہ ادارہ تو نہیں

جس میں طے ہو اُمَمِ خستہ تناں کی قسمت
وہ ادارہ بھی تمہارا ہے ہمارا تو نہیں

بخت اپنا نہیں گر آئینہ ایجاد نہ ہو
دامن آلودۂ خونِ دلِ دارا تو نہیں

صفحۂ فکر پہ یہ شوق کی سیمیں تحریر
حاصلِ کلکِ خیالِ سخن آرا تو نہیں

دل شکستہ ہی سرمایۂ عشق کا ٹھہرا
یہی فقیر کا جامِ جہاں نما ٹھہرا

یہ جانتا ہوں میں ناصح خرد بھی اک شے ہے
مگر یہ عشق کا نازک معاملہ ٹھہرا

زمانہ دردِ محبت نہ چھین لے ہم سے
یہی تو حاصلِ عمرِ گریز پا ٹھہرا

کسی کے دل کی کسی کو خبر نہیں ملتی
خدا کے گھر سے جو نکلا وہ پارسا ٹھہرا

کبھی نوازشِ پیہم کبھی ستم پہ ستم
بتوں کا طرزِ تصرف جدا جدا ٹھہرا

بڑھا نہ دائرۂ بیش و کم سے پائے خیال
اسیرِ پیچ و خمِ زلفِ مدعا ٹھہرا

خود اپنی سمت قدم در قدم چلا نہ گیا
اُٹھا میں اُٹھ کے چلا چل کے لڑکھڑا ٹھہرا

"یہ حکم ہے کہ جمالِ الٰہ روبرو آئے"
"یہ سامنا تو قیامت کا سامنا ٹھہرا"

ستا ستا کے ہیولیٰ مرا بنانے لگی غرض کہ مجھ میں نیرنگ نغمے جگانے لگی

دلِ ذرہ مرا، مری بیکسی کی عمر دراز شکستہ ساز سے آوازِ دوست آنے لگی

بنا جسے مشیت نے حریمِ دل کا ایلچی وہ خاکِ پاک حرم و دیر میں اُڑانے لگی

ہے ناگوار مگر نتیجۂ کثافتِ حال گو وقت سخت پڑی رنج تلملانے لگی

ازل کا نقطۂ آغاز بن کے کلکِ قضا ابد کی سمت چلی دائرے بنانے لگی

قضا نے دی وہی آواز بے خبر ہشیار! غرور بن کے جہاں عقل سر اٹھانے لگی

تجلیوں نے کیے میں صنم کدے آباد مجاز دار حقیقت فروغ پانے لگی

اسی کا حسنِ تصرف اسی کا فیضِ نگاہ مرے خیال کے پیکر میں جان آنے لگی

جمالِ فکر و متاعِ ہنر سلامت باد غزل خزانۂ لعل و گہر لٹانے لگی

غزل

کیا معرضِ وجود کا جوہر نہیں ہوں میں
انسان ہوں حرفِ خاک کا پیکر نہیں ہوں میں

کُل کیا کہ جس کا جزوِ مؤقر نہیں ہوں میں
منظر کہاں جہاں پسِ منظر نہیں ہوں میں

میری نمودِ فکر کی تاثیر لازوال
رہنِ تپِ رشیدِ مختصر نہیں ہوں میں

کرتی ہے میرے عزم سے خود صبح اکتساب
شب کے حصارِ جبر کے اندر نہیں ہوں میں

مجھ کو فروتنی سے ملی رفعتِ نگاہ
محدود کر کے حجم کے برابر نہیں ہوں میں

بیٹھا ہوں ایک گوشے میں زانو پہ رکھ کے سر
آشوبِ انقلاب کا مصدر نہیں ہوں میں

سائل ہوں اک نظر میں ہے اس ندرتِ خیال
حیراں کسی کے طرزِ سخن پر نہیں ہوں میں

شاہد ہے آج بھی وہی لاحاصلی جو تھی
خوباں کے التفات کا منظر نہیں ہوں میں

کربِ نہاں کا ایک سمندر نفس نفس
ظاہر میں موج موج سمندر نہیں ہوں میں

ہوں میں اسیر اپنے ہی دامِ خیال میں
پیچش پذیرِ زلفِ معنبر نہیں ہوں میں

ہمت کے بال و پر ہیں پروازِ اہلِ شوق
فیضِ آشنائیِ بالِ مقدر نہیں ہوں میں

خم خانہ رکھ کے سامنے بیٹھا ہوں بے دریغ
مانوسِ ظرف و قدرِ تقدیر نہیں ہوں میں

کرتے ہیں اہلِ دل مرا کیوں دل سے احترام
درویش مست حال و قلندر نہیں ہوں میں

مدت سے جانتے ہیں مجھے اہلِ دل جہاں
اور یہ بھی جانتے ہیں سخنور نہیں ہوں میں

کڑی ہے دھوپ کہیں راہ میں شجر بھی نہیں
کشاکشِ سفرِ زیست ہے مفر بھی نہیں

رہینِ مقدمِ میمون منتظر بھی نہیں
شبِ الم مری منت کشِ سحر بھی نہیں

فسونِ قصۂ زلف و رخ و کمر بھی نہیں
ہماری یادوں کے آئینے معتبر بھی نہیں

لٹا کے کاہکشاں جیں پہ مانگ کی افشاں
مری نظر میں کوئی ایسی رہگذر بھی نہیں

سمیٹ لے جو گلوں کی بہار پلکوں میں
جنوں کی چشمِ تحیر میں وہ ہنر بھی نہیں

لگا دی مہر مرے نطق پر حوادث نے
نظر کے پاس کوئی نقطۂ نظر بھی نہیں

دکھاؤں دل کی میں آتش فشانیاں کیسے
اطاقِ سینۂ جاں سوز میں تو در بھی نہیں

لہو سے دل کے جلینگے چراغ رات ڈھلے

ابھی تو شامِ شفق رُخ گداز اثر بھی نہیں

مسک گیا ہے سینۂ زمیں کا آنچل

اور اس پہ بخیہ لگانے کو بخیہ گر بھی نہیں

ہمارے گھر کا پتہ پوچھنے کو نکلا ہے

ہماری دربدری کی جسے خبر بھی نہیں

نہ دردِ دل نہ خلش دل میں نارسائی کی

جہانِ گوشۂ عزلت میں دردِ سر بھی نہیں

غزل

یہ مضامینِ رخ و زلف و کمر پہلے پہل

رنگ ارزانیِ معراجِ نظر پہلے پہل

اور خوش رنگیِ تغزل یہ بیانِ گل و مُل

یہ سخن لائے ہنر و نشۂ اثر پہلے پہل

شب کی آغوش سے عنبر نفس و مشک آگیں

گفتگو کی ہوتی آئی ہے سحر پہلے پہل

منفعلِ رخِ پُر شفق قوسِ قزح جنبش میں

رنگ لایا ہے مرا زخمِ جگر پہلے پہل

کھولدو بابِ حرم دیکھیے بتوں کے جلوے

آیا ہے برہمنِ شعبدہ گر پہلے پہل

خمِ ابروئے بتاں کی اتنی محرابوں سے

نظر آیا ہمیں اللہ کا گھر پہلے پہل

ہم کو اپنے قد و قامت کا کہاں تھا ادراک

آ کے مقتل میں اٹھایا ہمیں سر پہلے پہل

اک یہ اندیشہ کہ پھر ہوگا سفر کا آغاز

وہ بھی عقبیٰ کا سفر اور یہ سفر پہلے پہل

مری فکر زندہ کو ضد نے تب و تابِ جنوں بڑھا دیا

مری طبع صلح پسند نے مجھے شوخ و شنگ بنا دیا

دلِ درد مند نے جو بھی تھا ترے آستاں پہ لٹا دیا

مرے عشق خانہ گزیدہ نے، تری انجمن کو سجا دیا

پسِ پردہ کون تھا جلوہ گر ہمیں حسن نے درسِ فنا دیا

نہ خرد کو اس کی ہوئی خبر، نہ جنوں نے اس کا پتا دیا

ہمیں عشق و ذوقِ فنا دیا تمہیں حسن و ناز و ادا دیا

قلمِ ازل نے بھی فیصلے ہمیں کیا دیا تمہیں کیا دیا

ہمیں رسمِ الفتِ باہمی تمہیں زیب دیتی ہے برہمی

ہمیں ذوقِ دامِ بلا دیا تمہیں دامِ زلفِ رسا دیا

نہ صلاحِ کار کی جستجو نہ وفا کے باب میں گفتگو

کہ چراغِ خلوتِ آرزو تری بے رخی نے بجھا دیا

رہے دیر تک تری یاد میں یونہی رت جگا رہے کو بہ کو

جو لہو ہمارا سبو سبو ہوا سرخ رنگ گرم دیا دیا

چھیڑے نہیں نے طرزِ سخن سے دکانِ زخم
ہم ورنہ چھیڑتے نہ کبھی داستانِ زخم

ترکِ طوافِ لالہ و گل بے سبب نہیں
پھرتے ہیں لوگ دل میں لئے گلستانِ زخم

آ انجمن میں دیکھ ستم کی نشانیاں
ہر آدمی ہے اپنی جگہ اک دکانِ زخم

آبادیاں میں نام کی آبادیاں کہاں
یہ قافلے ہیں درد کا، وہ کاروانِ زخم

ناحق زبانِ خلق پہ پہرے بٹھائے ہیں
کیا زرد زرد چہرے نہیں ترجمانِ زخم

خوش وضع لوگ بزم سے اٹھ کر چلے گئے
دامانِ آرزو میں لئے ارمغانِ زخم

ہر لمحہ سوز و درد ہے ہر لحظہ دکھ خلش
دل پر جہاں ہونے لگا ہے گمانِ زخم

غزل

تمہارے شہر میں رہتے نہ یوں گر ہم سے دیوانے
تو سرتاپا الم لوگوں میں جائے کون سمجھانے

حکیمانہ ہے ناصح مشورہ ترکِ محبت کا
مگر کم بخت دل حضرت کے ارشادات کو مانے

زمانہ خیریت سے ہے مگر اب اس کو کیا کہیے
خرد کی بزم میں چھپتے ہیں منھ اپنے ہی افسانے

خدا رکھے مسائل ایسے بھی ہیں اہلِ بینش میں
کھلے رکھتے ہیں جو ہر زخم لگاموں کے شفاخانے

محبت آزمائش ہے، بلا کی آزمائش ہے
نشاط انگیز ہو یہ آزمائش جن کو دیوانے

مسلسل ہی نہیں قربان تمام فرض کی زینت
ابھی تو قرض ہیں لوگوں پہ اشکِ خوں کے نذرانے

وہ کیفیت جو میخانے کی تھی پہلے کہاں ساقی
وہ اب بزمِ رنداں میں کہاں سے لوگ انجانے

دلِ برباد کی بے ساختہ یاد آہی جاتی ہے

جہاں مل جاتے ہیں کچھ لوگ ہم کو جانے پہچانے

جہاں آتا خرد کا فضل کیا کم ہے زمانے پر

مقامِ مصلحت آیا تو دیوانے بھی فرزانے

وہ مصلحت آگاہ ستم کرتے رہیں گے

ہم عاقبتِ امر کا غم کرتے رہیں گے

ہم دامنِ افکار کو رنگیں نہ ملوث

ہم پاسِ ادب پاسِ قلم کرتے رہیں گے

کہتے ہی رہیں گے تری بیداد کو بیداد

بیداد کی روداد رقم کرتے رہیں گے

ممکن ہی نہیں اہلِ حرم پر کوئی قدغن

غزالِ حرم طوفِ حرم کرتے رہیں گے

جب تک نہ سنور جائیں گی حالات کی زلفیں

ہم شانۂ تدبیر بہم کرتے رہیں گے

جب تک نہ مقاصد کو ملے منزلِ تکمیل

آہو قدماں دشت میں رم کرتے رہیں گے

آئینِ محبت پہ کوئی چل کے تو دکھلائے
ہم پیرویِ نقشِ قدم کرتے رہیں گے

ہم اہلِ وفا حسنِ رفاقت کے علم دار
نقدِ دل و جاں نذرِ علم کرتے رہیں گے
زخمِ دل و جاں کرتے رہیں گے نظر انداز
جو حسنِ عمل چاہے وہ ہم کرتے رہیں گے

ایسے ہونے پہ نہ ہونے کا گماں ہو جیسے
ایسا پیوست رگِ جاں کہ وہ جاں ہو جیسے

شب کی تنہائی کے پردوں کا طلسمی منظر
سامنے انجمنِ ماہ وشاں ہو جیسے

دشتِ غربت میں بھی اس طور سے آتی ہے صبا
موجِ خوشبو جو دمِ ہم نفساں ہو جیسے

اثرِ نقرہ جبینی و شگفتہ دہنی
آبِ الماس خیالوں میں رواں ہو جیسے

نطق کی چھاؤں میں نکھرے جو لفظوں کی نشست
شب کے آنچل پہ ستاروں کا سماں ہو جیسے

ان کے لفظوں کے اثر سے بھی طبیعت میں گداز
عندلیبوں کی بھی اردو میں زباں ہو جیسے

ساعتِ امن میں یہ سلسلۂ شورِ خفیف
دشت میں تند ہواؤں کی فغاں ہو جیسے

خلق آثار جیسا کل میں سمٹتی دنیا

وقت کے سینے پہ اک بارِ گراں ہو جیسے

دسترس میں نہیں وضعِ دل و جاں پر کسی

عقل کے ہاتھ میں ٹوٹی سی کماں ہو جیسے

گونجے گنبد میں ہے، کالائے سخن بیچ ہوں

گاؤں میں چھوٹی سی بنیے کی دکاں ہو جیسے

غزل

جس کے لئے مرتے ہیں وہ کیا کیا نہ کہے ہے

بھولے سے بھی لیکن ہمیں اپنا نہ کہے ہے

سُن کے لئے چاہئے پتھر کا کلیجہ

گھر جس پہ لُٹایا وہی دیوانہ کہے ہے

کعبہ جو بنایا تھا بڑی چاہ سے ہم نے

اُس کو تو جو دیکھے ہے صنم خانہ کہے ہے

اندیشے گذر جائے ہیں سو سو طرح دل میں

دنیا ترے انداز کو شاہانہ کہے ہے

ہم کچھ نہ کہیں گے لبوں پہ خاموشی رکھیں گے

آخر یہی ہوئی بستی بھی تو افسانہ کہے ہے

اک تذکرۂ گردشِ ایام ہے شاید

ساقی سے سرِ شام جو دیوانہ کہے ہے

لُطفِ جمال اُس کی تو عادت ہے کہ ہر دم

جو بات کہے ہے سو حریفانہ کہے ہے

نہ ہجومِ غمِ فردا نہ خیالِ مافات
دشت میں قیس نے آرام سے کاٹے دن رات

خونِ دل بہہ میں فدا خونِ تمنا کے نثار
کتنی رنگین ہوئی جاتی ہے، تصویرِ حیات

رونقِ بزم نہ ہو زیست معطل ہو جائے
ہم جو پا جائیں کبھی گردشِ ایام سے نجات

قافلے غم کے لیے جائیں کہاں پھر منزل
دفعتاً بند جو ہو جائے کہیں راہِ ممات

جز الم زادِ سفر کچھ نہ ملا ہو جس کو
پوچھئے اس مسافر سے سفر کے حالات

دیر کی فکر میں غلطاں ہے خلیل اللّٰہی
خانہ آباد ہیں کعبے میں مگر لات و منات

جیتا رہتا ہوں میں کھویا ہوا تانے بانے
غیر مربوط خیالات کے اکثر اوقات

نما ہے جلوہ گہِ حسنِ شعلہ زن ہم کو
دیا ہے اذنِ تماشائے خویشتن ہم کو

کسی کو حور کا اک اک نفس بہشت بدوش
جحیم ہے نفسِ گرمِ زیستن ہم کو

بتوں کو دیکھ کے اللہ یاد آتا ہے
دلیلِ راہِ حقیقت ہے برہمن ہم کو

سکھائی طبعِ گدایانہ نے ہم کو کج کلہی
مذاقِ فقر نے بخشا ہے بانکپن ہم کو

تعینات کی حد سے نکل گئے آگے
پکارتے ہی رہے شیخ و برہمن ہم کو

نہ ہوں گے ہم تو گل و لالہ کے چراغ لیے
بہار ڈھونڈتی ہو گی چمن چمن ہم کو

غزل میں کیوں نہ وہ آہنگِ رنگِ غالب ہو
کلامِ نغزِ اسد بادۂ کہن ہم کو

خدا کی دین ہے اکثر جمال [illegible]
کسی کو فکر [illegible]

سوادِ عاشقی میں جستجو کا حوصلہ رکھیو
جنونِ بے سر و ساماں کو آتش زیرِ پا رکھیو

غمِ دوراں ہو پیارے یا غمِ جاناں طرفہ ہیں
کبھی غافل نہ رہیو، زندگی کو مبتلا رکھیو

یہی درویشی نے جانا اسی کو معرفت کہیو
بتوں کے دل میں رہیو، برہمن سے رابطہ رکھیو

کوئی بیگانہ ہو یا آشنا کب آ کے دستک دے
صدا اے دردمندو دل کا دروازہ کھلا رکھیو

ان آنکھوں سے شکستہ بام و در دیکھے نہیں جاتے
دلوں میں قصرِ الفت کی بہت محکم بنا رکھیو

یہیں سے کارواں در کارواں عشاق گذریں گے
دلِ پُرخوں کی قندیلیں سرِ مقتل جلا رکھیو

حجابِ اشکِ ندامت لے کے آخر کون جائے گا
غبارِ زہد سے تم دامنِ عصیاں بچا رکھیو

جو خدا کی سمت نہ لے چلے وہ جنوں کی راہ گذر نہیں
جو رہینِ فکر و مآل ہو وہ بلائے گردشِ سر نہیں

سرِ حال اپنا بتاؤں کیا، مجھے خود بھی اپنی خبر نہیں
میں ہوں اُس مقام پہ ان دنوں جہاں کچھ بھی پیشِ نظر نہیں

یہی زندگی ہے بلائے جاں کہیں چل کے ڈھونڈیئے اب اماں
نہ جہاں زماں نہ جہاں مکاں جہاں دورِ شام و سحر نہیں

یہ جو آب و گِل کا خلیط ہے اسے جبر و قید محیط ہے
جو نکل بھی جائیں زمیں سے ہم کہیں آسماں سے مفر نہیں

نہ صنم کدوں میں قرارِ جاں نہ حرم میں منزلِ عاشقاں
ترے آستاں کے سوا کہیں ترے وحشیوں کی گذر نہیں

ہے قرب و دید کا مرحلہ رہے صبر و ضبط کا حوصلہ
وہ حرم میں آ کے بھی پائے کیا جسے ذوقِ تابِ نظر نہیں

جو غزل میں کیف بے حال ہے، جو رمِ غزالِ خیال ہے

وہ جمالِ نورِ ضمیر ہے، وہ کمالِ نطق و ہنر نہیں

دلِ ماہتاب مآب تو لائیے، جگرِ دریدہ دکھائیے

غزل اسکو اپنی سنائیو کیا جو خراب تیرِ نظر نہیں

ترا درد اور ہوا سوا، ترے زخم دینے لگے ہوا

یہ خیال کس نے تجھے دیا، کہ تری دعا میں اثر نہیں

غزل

دیکھی وہ اب رباب کسی کی نقاب میں

جب تک گئی جنوں کو خرد کس حساب میں

ہاں چاہیئے نگاہ کو اک درجۂ کمال

ذرّے میں آفتاب ہے، دریا حباب میں

دل ہی ہے اہلِ دل کو کتابوں کی اک کتاب

دل پر ہی نقش، نقش جو اُمّ الکتاب میں

اک دست گاہ میں نہیں مطرب کی زخمہ زن

دل کا بھی ارتعاش ہے تارِ رباب میں

میں یوں کہ میں نہیں ہوں، نہیں ہے کہ ہے نہیں

مدت سے مبتلا ہوں اسی پیچ و تاب میں

کیا کیا سفر میں اہلِ جنوں کا زیاں ہوا

وہ کر خرد کے مشورۂ ناصواب میں

آزاد پھر رہے ہیں غم آزادگانِ شہر

اور محتسب غریقِ غمِ احتساب میں

مد نظر ہمارے لہو کا بھی رکھ حساب
ہم ورنہ کیوں شریک ہوئے انقلاب میں

صدقے تمہارے علم کے آخوند جی کہو
کیا کیا لکھا ہے میرے شرح کے باب میں

حرفِ سخن حلال ہوئے ناشنیدنی
بیٹھا ہوں جب سے مکتبِ حیرت نصاب میں

(قطعہ)

واعظ نے کچھ کہا ہی نہیں تھی کتبِ شراب
غالب نے "روز ابر و شب ماہتاب" میں
تاویلِ حق میں کوئی نکل آئے کیا عجب
مشغول ہم بھی ہیں اسی کارِ ثواب میں
قطعِ نظر ہو مجھ کو شریعت سے الحذر
پر عرض ہے یہ خدمتِ عالی جناب میں

مبارکی
شاہینہ کی تقریبِ رخصتی پر

دعائے سینۂ درویش بستہ پا لے جا
مرے خلوص کا شاہینہ آئینہ لے جا
ختن سے فکر کے مشکِ نفس فزا لے جا
تخیلِ شفق آثار کی حنا لے جا

قلم کے لعل و گہر ہائے بے بہا لے جا
سخن کے مخزنِ اعجاز کا دیا لے جا
سفر میں ضبط و تحمل کا حوصلہ لے جا
بطور زادِ سفر ماں کی مامتا لے جا

جہیز میں تو صداقت کا فلسفہ لے جا
سلف کے حسنِ تصرف کا سلسلہ لے جا
اتاقِ علم کے فانوس کی ضیا لے جا
رواقِ صبر کے پردوں کی سیمیا لے جا
ترابِ جد کی شرافت کا آئینہ لے جا
اٹھا کے دادی کے آنچل کی تو ہوا لے جا

محبتوں کے سفینوں کا شاخسانہ لے جا
دعائے خیر عزیزان و اقربا لے جا

ردائے عصمت و عفت کا معجزہ ہے حیا
نگاہ و دل تو انمول کیمیا ہے حیا
خزینۂ سنن شاہ دوسرا ہے حیا
جبیں پہ طلعتِ آیاتِ والضحیٰ ہے حیا
نبی کے ہاتھ کا تکیہ گلے کا تعویذ ہار
وقارِ عائشہ، اخلاصِ فاطمہ ہے حیا
شریکِ عمر کی آسودہ خاطری کے لیے
چھپا کے پلکوں میں تو سایۂ ہما ہے حیا
نسیم کے چمنِ دل سے ایسے الوداع
اٹھا کے تحفۂ شگفتہ گلاب کا ہے حیا
جناب حضرۃ حامد علی کی خدمت میں
مبارک ہو یہ اشعار دل کشا ہے حیا

کسی کی فرمائش خاص پر جبکہ یہ حقیر فقیر اہل تقریب سے
بالکل ہی آشنا نہیں اور نہ فکر
اس پر آمادہ

خامس فیض کرم رب الاعلیٰ کیجیے
عقد کی رسم کو فضل شہ بطحا کیجیے
منکحت اور سر بام ہوا کیا کیجیے
برج میزان پہ زہرہ کا اجارا کیجیے
تہنیت دیجیے، سلام لوگو سہارا کیجیے
دولھا دلہن کو دعائے دل شیدا کیجیے
خامۂ شوق لے صد شعر غزل کا لکھیے
ناطقۂ فکر سے کیسی ہی ترانہ کیجیے
فن کہ لکھنیں یہ لطافت میں کر سہرا لکھیے
سہرا کہیے تو پھر اس سحر کو لیلا کیجیے
اس کو تار نگہ ناز کی مالا کیجیے
رخ نوشاہ پہ عکس رخ زیبا کیجیے
کیجیے پھولوں کو اگر رمز غذائے مریم
پھر تو رشتوں کو بھی انفاس مسیحا کیجیے
فکر نے آج پروئے ہیں جو لڑیوں میں گہر
ان کو پروردۂ آغوش تمنا کیجیے

مشتری زین کے پیکر میں ہے جلوہ افروز
اسکو فاروق کی قسمت کا ستارا کہیے

پیرہن ناز کرے جس کے تنِ نازک پر
باغِ محمود کا اس کو گلِ رعنا کہیے

تجکو تعلیم و ثقافت کا امیں کہتے ہیں
اسکو ایثار و محبت کا خزانہ کہیے

شیخ محمود کی دولت ہے تمہارے آگے
بختِ بیدار کا اسکو بھی کرشمہ کہیے

بحفاظت حرمِ دل ہی میں رکھیو فاروق
یہ وہ گوہر ہے جسے گوہرِ والا کہیے

درد جس دل میں ہے اس دل ہی کو کہیے آگاہ
دلِ آگاہ کو پھر دل نہیں کعبہ کہیے

کعبۂ دل ہی میں اسرارِ نہاں کھلتے ہیں
یہیں کھلتا ہے جسے عالمِ اخفا کہیے

کھلنا آسان بھی مشکل بھی ہے پیارے اسکو
بنتِ حوّا نہیں سر تا پا معما کہیے

یوں تو شاعر ہوں کہوں اور بھی کیا اسکے سوا
بال کھولے جو گھٹا شعرِ غزل کا کہیے

سمجھو گل نفس پر چند یہ دونوں کر لیے — انہیں اشعار کو انجان کا تحفہ کہیے

کسی کی تقریبِ رخصتی پر کسی کی فرمائشِ خاص کے تحت

رُخِ فطرت پہ غضب کا ہے نکھار آج کی رات
آئی آغوشِ تمنا میں بہار آج کی رات

فلکِ زہرہ سے آئی ہے مسرت کی برات
خلوتِ شوق ہے جنت بکنار آج کی رات

آج تحسین نے پہنا ہے عروسی جوڑا
رحمتیں بن گئیں دامن کی بہار آج کی رات

اُس کے گھونگھٹ پہ فرشتوں کا تقدس قرباں
اُس کے چہرے پہ ہے مریم کا وقار آج کی رات

شمع جس شمع کا پروانہ سراج محمود
چاند اس شمعِ شبستاں پہ نثار آج کی رات

پریت کی ڈال پہ دو رس بھری کلیاں جھولیں
من کی پھلواری میں مستی کی پھوار آج کی رات

گنگناتی ہے فضا، رقص میں ذرہ ذرہ
پیار سے پیار ملا، یار سے یار آج کی رات

زلفِ شب رنگ کی زنجیر مبارک ہو سراج
اپنے ہی دام میں آہوے تتار آج کی رات

شکر ہے ختم ہوا شب کے ستاروں کا شمار
کیجیے قبول دعاؤں کا ستم آج کی رات
شب کے بیدار ستارے ہیں جمال انکی گواہ
دو دلوں میں جو ہوا قول و قرار آج کی رات

"لازم ہے دل کے ساتھ رہے پاسبان عقل"
اقبال کہہ گئے ہیں یہ اپنی کتاب میں
"لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے"
یہ مبتدا بھی سنئے خبر کے جواب میں
القصہ یہی تو ہوا حاصل کلام
جب رہ گئی ہے کمی حلت و حرمت رباب میں
کر لیجیے فرض گرچہ یہ فرض محال ہے
یعنی کہ مے حلال ہے عہد شباب میں
اب آئیے شراب کے ساغر لنڈھائیے
غالب کے احترام جگر کے حساب میں
آغوش میں لئے کوئی جبرا پلائے مے
اور میں کہوں "نہیں نہیں" خوف عتاب میں
یہ آگہی ہے دل کا تقاضہ بھی ایک شے
نکلا ہے آفتاب شب ماہتاب میں

بیا بدست اک بت بدمست خندہ زن

جانے ہمارے تقوے کا جام شراب میں

تا شیخ جی پلا جی کریں مل کے ہاؤ ہو

ناحق اٹھا کے جام کف اجتناب میں

مستی کا ہو وہ حال کہ ملتا نہ ہو سراغ

ساغر میں ہے شراب کہ ساغر شراب میں

اٹھنے لگے جو آتش سیال کا دھواں

بڑھ کر لگا دیں آگ جہان خراب میں

نار جحیم و عرصۂ دوزخ جبیں فروغ

ہم نے جو دوں کی چشم شراب التہاب میں

پی، فکر کر نہ جامۂ آلودہ کی جمال

دھل جائیگا کل آب پہ سیل سراب میں

ترجمہ

رباعیات حضرۃ باباعریاں طاہر علیہ الرحمہ

فغاں سے گنبد زرقا جلادوں
میں یہ کون و مکاں سارا جلادوں
جلادوں گر نہ کیجئے کارسازی
کرینگے کارسازی یا جلادوں

دل عاشق کو اک پیغام کافی
خمار آلودہ کو اک جام کافی
مجھے کافی تری کیفیت چشم
قناعت ہو تو اک بادام کافی

لگا بیٹھا دل و جاں تیرے بس میں
میاں جو پایا کہ بیٹھاں تیرے بس میں
نہ جانے درد دل آتا کہاں سے
مگر درماں ہے جاناں تیرے بس میں

کوئی درد مانگے کوئی مانگے درماں
کوئی وصل چاہے کوئی چاہے ہجراں
مگر وصل و ہجراں کیا درد و درماں
وہی خوب ہے جسکو جو دیدے جاناں

تضمین اشعار حضرۃ علامہ اقبال طیب اللہ ثراہ

مشک را در نافہ زلف غالیہ خوئے تو برد
آب را در آئینہ، تیغ دو ابروئے تو برد
رنگ را در پرفشانی گلشن روئے تو برد
"عشق شور انگیز را بر جادہ در کوئے تو برد
بر تلاش خود چہ می نازد کہ رہ سوئے تو برد"

نہ شبے بجان یارم ز مے مغانہ گفتم
نہ بہ خال و رخ طپیدم نہ ز زلف و شانہ گفتم
نہ ترانہ سرودم نہ بکس فسانہ گفتم
"ز بروں در گذشتم، ز درون خانہ گفتم
سخنے نہ گفتہ را چہ قلندرانہ گفتم"

چه عجب مهر شود خال سیاهی گاهی
برق را از رگ یاقوت بیابی گاهی
روید از گرد خزان تیغ گیاهی گاهی
"می شود پردهٔ چشم پر کاهی گاهی
دیده ام هر دو جهان را به نگاهی گاهی"

گوهر معنی جلید از ذهن پاک دلی
کشف کرده ز کتاب همه دانی فصلی
بشنو از خواجه ز گردش دل و جانها قولی
"وادی عشق بسی دور و دراز است ولی
طی شود جادهٔ صد ساله به آهی گاهی"

واصلان نشّه کشیدند ز مینای الست
تو چرا هم که همت شهوار نیست
فرصتی هست که این طایر نغمه خانه نشست
"در طلب کوش و مده دامن امید ز دست
دولتی هست که یابی سر راهی گاهی"

چون ما نه ایم، سر و برگ گفتگو ز کجاست
یکی دگر سر آئینه رو به رو ز کجاست
عدم چراست؟ نمود از کجا؟ نمو ز کجاست
"درون سینهٔ ما سوز آرزو ز کجاست
سبو ز ماست ولی باده در سبو ز کجاست"

چه حرف و نطق و معانی؟ سر ما ادراکیم
ولی ز ریشه گسسته هزار چالاکیم
بحیرتم که سراب آسا دامن پاکیم
"گرفتم این که جهان خاک و ما کف خاکیم
به ذره ذرهٔ ما، درد جستجو ز کجاست"

بما شعاع لطیفی از چراغ جان افتد
به سنبش جبهت شفق شوخی جهان افتد
غبار پای جنونم به آسمان افتد
"نگاه ما به گریبان کهکشان افتد
جنون ما ز کجا، شور های و هو ز کجاست"

بفرمائید با ما بندگان را بہر چہ می خواہی
مضمون لب کشائی ہائے گل بیگر چہ می خواہی
نوائے پردہ سازم برون در چہ می خواہی
ز شاعر نالۂ مستانہ در محشر چہ می خواہی
تو خود ہنگامۂ، ہنگامۂ دیگر چہ می خواہی

ز مکرم پردہ ہای تو جملی چون وجدانم را
کلام لغز خود کردی ودیعت گو زبانم را
خرام سرمدی چون دادۂ موج بیانم را
بہ بحر نغمہ کردی آشنا طبع روانم را
ز چاک سینہ ام دریا طلب، گوہر چہ می خواہی

دمے با خود جنون آوارہ را تمکیں اگر باید
جبین عشق را رسم صنم خانہ کجا شاید
سر و برگ از دیار خاک تجلی ریشہ بنماید
نماز بے حضور از من نمی آید نمی آید
دلے آوردہ ام، دیگر ازیں کافر چہ می خواہی

کدھر ہے آ بتا اے چرخ گردوں
یہ ایسا کون ہے وہ ویسا نہیں کون
کسی کو دیدیا صد ناز و نعمت
کسی کو نان جو آلودہ در خون

اگر صحراء کو دیکھا تو ہی صحراء
اگر دریا کو دیکھا تو ہی دریا
غرض دیکھا جدھر کوہ و در و دشت
نگاہوں میں ترا ہی قد رعنا

مری قسمت ہے اور صد گونہ محنت
دلِ آزردہ اور صد داغِ حسرت
تلاشِ کنجِ عافیت کے ہاتھوں
مرا سینہ ہے آتش زار صورت

غزل

شبنمِ دل میں سرِ شام اُتر آئی پری
ہو گئی حسنِ مجسم مری بالغ نظری

نالۂ نیم شبی ہو کہ دعائے سحری
حیلۂ گریۂ زاہد ہے سندِ بے اثری

زاہد اس بے خبری پر تو نہ جا رندوں کی
ان کا سرمایۂ نازش ہے یہی بے خبری

سیر کو جائے تو لے آئے ستارے چُن کر
قدسیو دیکھو تو پروازِ شعورِ بشری

وقت نے شیخ کی دستارِ قدامت کھینچی
علم نے کھولی طلسمات کی فرسودہ تری

پس روی کا یہی انداز ہے گر لوگو
کیا نہ آجائے گا پھر عہدِ قدیمِ حجری

گردشِ وقت کی تاثیر سے ماورا ہے عشق
روح ہوتی نہیں پامالِ زوالِ قمری

اے خوشا! مجھ سے ہی منسوب ہوئی قیس کے بعد
عالمِ ہوش میں صحرا کی طرح دربدری

بعد میں بیتے ہوئے
تو ہم ایسے پیروا [illegible]

والہانہ میں گزر جاؤں گا ہر منزل سے
اسکی خوشبوئے بدن ہوگی دلیل سفری

دیکھ لے جلوے بتوں کے جو دل شوخ میں
برہمن بول اٹھے اوم ہری اوم ہری

سنتے ہیں خلوتِ ادراک سے وہ دور نہیں
جس خرابے میں مجھے لے گئی آشفتہ سری

ڈھونڈتی ہوگی نہ کیا دشت کی ویرانی میں
دل کی دریائی طلبی کو نگہ چارہ گری

ترک مے پر مجھے جب چاہے وہ مائل کردے
کون آتی مشیت ہی مری چارہ گری

ہمت افزا تو نہیں راہ طلب کے صدمے
شوق کرتا ہے مگر پرورش بے جگری

کون ہوتا ہے شریک غم بربادی دل
ڈھونڈنے نکلے شناساؤں میں شوریدہ سری

جب نہ آنا شب مہتاب میں وہ جان غزل
سو گئی اوڑھ کے تنہائی ردائے قمری

ہے ہی ذکر سے آ آ کے مضامیں کا گزر
جیسے رم خوردہ بیاباں میں غزال تتری

جس کا جی چاہے یہاں آئے بچے رقص طرب
گلشن دل کی کھلی رکھتے ہیں ہم بازہ دری

غزل

ناصحو آکے تو دیکھو مجھے میخانے میں
نور ہی نور بھرا ہے مرے پیمانے میں

تجھ سے مینا مجھے بیتاب کی رونق مانگے
یہ جو ویرانی ہے زاہد ترے کاشانے میں

محتسب سوچ کے دھر سوئے خرابات قدم
بند ہے شورشِ فردا یہیں خُمخانے میں

آج بھی پیشِ نظر ہے وہی تحریرِ ازل
کچھ نئی بات نہیں زلیست کے افسانے میں

تاب داری میں بھی بے تابی سی بے تابی ہے
کتنے دریاؤں کی طُغیانی ہے دُر دانے میں

دار پہ کھینچنے نکلے ہو بہر علم تحقیق ؟
دیکھ تو سمجھ کیا رمق جاں بھی ہے دیوانے میں

رہتے محوِ رخِ تحقیق و تدبّر دن بھر

رات بھر گیسوئے اندیشہ کے سلجھانے میں

جانِ جاں راحتِ جاں کیا ہے بجز حسنِ شعور

روح کا رقصِ طرب چاہئے ویرانے میں

زندگی بھر سے رگ و پے میں ہو جاری ساقی

بھر دے تریاقِ لبِ لعل مجھے تو پیمانے میں

تابشِ خلعتِ زر ہو کے رہی خاک آلود

صبحِ فریاد بلب شام کے ویرانے میں

پا بہ جولاں وہ جو نکلا تھا خدا کے گھر سے

وہ جیا سحرِ آغوشیٔ بت خانے میں

[signature]

۵ اپریل ۲۰۰۰ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جمالِ کلام

کلام جمع ہے کلمہ کی۔ کلمہ یا "لفظِ مفرد جو بامعنی ہو"
ایک مستند تعریف ہے۔ اگرچہ جمال ایک عام لفظ خیال کیا جاتا ہے اور اس
کے لیے "خوبصورتی" یا "حُسن" یا ہندی زبان کا لفظ "سندرتا" استعمال
کیا جاتا ہے لیکن یہاں یہ پیشِ نظر رکھنا لازم محسوس ہوتا ہے کہ خوب +
صورت، صورت کی اعلیٰ ترین صفات کا اجمالی بیان ہوتا ہے۔

انسانوں کو لیجیے تو یہ عمومی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ
اللہ کی بنائی ہوئی ہر صورت خوبصورت ہی ہوتی ہے۔ لیکن یہ ممکن ہے کہ فرداً
فرداً تمام ارکانِ صورت خوبصورت نہ ہوں۔ کسی ایک رکن کی قدرے
بدصورتی یا غیر موزونیت، دوسرے ارکان کی تمام تر خوبصورتی یا موزونیت
میں "جمال ہمنشیں" کے مصداق خوب صورت نظر آ جائیں۔

جہاں تک جمال کا تعلق ہے، اس کے لوازمات میں شامل سب
رکن کا اپنی اپنی جگہ خوبصورت ہونا لازمی خیال کیا جاتا ہے۔ اور پھر ان سب
ارکان پر مشتمل جو صورت ابھرتی ہے وہ صرف "حسین" نہیں ہوتی بلکہ حسن
کی اعلیٰ ترین تعریف کو معنویت عطا کرتی ہے۔ اور اسے اعلیٰ ترین درجے
کی "نازکی" گردانا (جا سکتا) جاتا ہے۔

کلام جمال کا جمالِ کلام یوں پرکھا جا سکتا ہے کہ دو قدم پیچھے
ہٹ کر حسن اور نازکی کے طفیل، بہت مختصر طور پر "شاعری" اور "غزل
گوئی" کی بابت اپنی یادداشت کو پہلے تازہ کر لیا جائے۔

زندگی کی سب سے بڑی تنقید خود فنونِ لطیفہ کو مانا گیا ہے۔
قدیم ساحرانہ اور مذہبی رسومات سے شروع ہو کر جدید ترین نثری دور
شاعری تک پہنچ جانے والی "شاعری" بہرکیف، تمام تر تنقید کے باوجود
اپنے سب سے بڑے مقصد کو پورا کر رہی ہے، یعنی "لطف مہیا کرنا"
ساتھ ہی ساتھ "سچ" کی حرمت قائم رکھے ہوئے ہے۔ اس کی بنیادی
وجہ یہ بتائی جا سکتی ہے کہ "جو چیز وجود میں آتی ہے تو ایک معیار

بھی اس کو جانچنے کیلئے اس (اُسی) کے ساتھ پیدا ہوتا ہے" (صفحہ ۶ فن شاعری) ۔

اس معیار کی بابت پہلا اشارہ "ہومر" (HOMER) کی دوسری تصنیف "اوڈی سی" (ODEYSSEY) میں ملتا ہے :—

"اُس مقدس مطرب "ڈیموڈوکس" کو بلاؤ کیونکہ خدا نے اسے جیسی گانے کی صلاحیت دی ہے کسی اور کو نہیں دی ۔ اس لئے کہ جیسے اُس کا دل چاہے اس طرح گا کر وہ انسانوں کو خوش کرے"

(اوڈیسی حصہ ہشتم صفحے)

"اگر تو مجھے یہ (کہانی) سچ سچ سنائے گا تو میں تمام لوگوں میں شہادت دوں گا کہ خدا نے تجھے گیت گانے کا بے مثل ہنر دیا ہے"۔

شاعر اور شاعری کی بابت مکتب افلاطون پر نظر ڈالئے تو اس کی مجالس مذاکرہ کا ایک اہم کردار آگاتھان کہتا ہے کہ عشق کا دیوتا صرف منصف، محتاط، بہادر اور عاقل ہی نہیں بلکہ شاعر بھی ہے اور شاعروں کا خالق ہے" ۔ عشق کا دیوتا ایک صناع ہے اور حسنِ انتظام کی تخلیق کرتا ہے (صفحہ ۹ ۔ عزیز احمد)

سقراط کی رائے میں

"تمام تر تخلیق یا عدم سے ہستی بننا شاعری ہے اور تمام فنون کے صناع شاعر یا خالق ہیں" (صفحہ ۹ ۔ عزیز احمد)

لیکن یہ بات ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ صرف مطالعہ صناع نہیں بناتا جب تک خداداد صلاحیت موجود نہ ہو ۔

عہد عتیق کی ان بزرگ ہستیوں نے حسن، لطف، سچ، جزن زبان، بلاغت، حزن، طرب، رزم، بزم، پیغمبری، الق، شاعری اور

عشق پر جو کچھ تعریفاً لکھا ہے آج بھی یوں قائم ہے کہ اُن کو پیشِ نظر رکھے بغیر شاعری اس کا جمال اور اس کی نازکی کا ادراک حاصل نہیں ہو سکتا ۔

شاعری کی ابتدا بالعموم دو اسباب سے ہوئی ہے ۔ یہ دونوں قدرتی ہیں ۔ اولاً " نقل " کہ انسانی جبلت ہے ۔ اور انسان تمام حیوانات میں اس لحاظ سے ممتاز ہے کہ وہ سب سے بڑا نقال ہے اور اس سے حظ حاصل کرتا ہے ۔ جو جتنی ٹھیک نقل کرتا ہے وہ اتنی زیادہ خوشی حاصل کرتا ہے ۔ ثانیۃً نغمہ اور موزونیت بھی قدرتی ہے اور کہ اب واضح ہو چکا ہے کہ تقطیع ایک طرح کی موزونیت ہے ۔ وہ صاحبانِ احساس جنہوں نے شروع میں ناہموار اور فی البدیہہ کوششیں کیں، بالآخر کامیاب ہوئے اور "شاعری" نے جنم لیا ۔

اردو شاعری کے حوالے سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ "غزل" آج بھی اردو شاعری کا سب سے بڑا اثاثہ ہے ۔ "تنگنائے غزل" اور "نیم وحشی" جیسے لاحقوں کے باوجود آج بھی سب سے زیادہ "پسندیدہ" ہے "مشکل" جو ہزاروں اردو شعراء کو پیش آتی رہی ہے اور آتی رہے گی (آج کی صورتِ حال کے مطابق) وہ بھی معلوم ہے ۔ یعنی "دو مصرعوں" میں بات مکمل کر لینے کی قید ۔ زبان کی، بحر کی، تشبیہ و استعارہ کی، لفظ کی اور سجع کی قید ۔ آج شعراء نے غزل کی "تن آسانی" یا کسل نے ایسے اور اجاڑ کر دیا ہے ۔ کیوں کہ حرف زبان پر قدرت حاصل کرنا ہی جوئے شیر لانے سے کم نہیں ۔ اچانک اگر پوچھ دیا جائے تو بہت سارے شعراء یہ نہیں بتا سکتے کہ " زبان " کے کتنے حصے ہوتے ہیں ؟ یا یوں بھی پوچھا جائے کہ "حرف" "رکن تہجی"، حرفِ عطف، اسم، فعل، حرفِ تعریف، حالت گردان، اور جملہ کا مدعا سے کیا تعلق ہے، تو بھی چند کے سوا جواب دینا کار دارد ۔ تقطیع کی بابت تو ہمارے شعراء کا علم بالعموم نہایت سطحی نظر آتا ہے ۔ مبلغ علم کے اس کساد میں جمالِ کلام

کی تلاش اور مشکل ہو جاتی ہے۔ لیکن جب کہیں، کسی کے ہاں یہ جمال
نظر آ جاتا ہے تو ساری کدورت دور ہو جاتی ہے۔

۱۹۱۱ء میں لکھی گئی مثنوی "حقیقتِ شاعری" مصنفہ نظیر عظیم آبادی
کے درج ذیل اشعار شاعری کی حقیقت کو اجاگر کرتے ہیں ۔

جس نے دیکھا بھی پر کہاں دیکھا
آگ دیکھی نہیں، دھواں دیکھا (الف)

یعنی نظیر کی نگاہ میں شعر کی قدر یہ ہے کہ وہ حقیقت تک رسائی کا ایک
ذریعہ ہے۔ اور شعر کی افادیت کا اظہار یوں ہو جاتا ہے کہ

شعر میں فلسفہ کی نیو پڑی
یہ حقیقت ہے اس کی سب سے بڑی (ب)

اور

ان میں ہر اک کا ایک خاص اثر
پڑتا رہتا ہے قلب پر اکثر
جذبہ ہے نام بس اسی شے کا (ج)
اس پہ قائم ہے شاعری کی بنا

(متذکرہ بالا الف، ب اور ج از حقیقت شاعری صفحہ ۲۲/۶۳ - تا سخن از
محمد رضا کاظمی)

حقیقتِ شاعری سے قطع نظر صرف "غزل" پر اب تک جو کچھ لکھا
گیا ہے اور لکھا جا رہا ہے اس کا احاطہ یہاں ممکن نہیں لیکن پروفیسر
کلیم الدین احمد کے درج ذیل جملے توجہ کے مستحق ہیں۔ ان جملوں کے
توسط سے "قدرِ شاعر" اور "قدرِ غزل" دونوں کا ادراک حاصل
کیا جا سکتا ہے۔ پروفیسر کلیم الدین احمد رقم طراز ہیں (از حرف "ے" تا سخن)

— " غالب کے آرٹ کا اصل کارنامہ یہ ہے کہ اس نے
غزل خصوصاً شعرِ مفرد کی تنگی کو وسعت میں تبدیل
کرنے کی کامیاب کوشش کی ۔ دو مصرعوں کے ارتباط

اس میں گنجائش بہت کم ہے۔ کسی چیز کو
پورے طور پر بیان کرنا ناممکن نہیں تو
دشوار ضرور ہے۔ غالب نے اس مشکل کو
آسان کرنے میں دوسرے شاعروں کے مقابلے
میں زیادہ کامیابی حاصل کی ہے۔

— غالب کوشش کرتے ہیں کہ ایک شعر میں مختلف خیالات
و جذبات یا ایک ہی خیال یا ایک ہی جذبہ کے مختلف
پہلوؤں کو سمیٹ لائیں۔ اس ارادے میں جامعیت
کے ساتھ تو کامیابی ممکن نہیں لیکن وہ ایک ترکیب
استعمال کرتے ہیں جس سے مشکل آسان ہو جاتی
ہے۔ چند خیالات تو پوری طرح ایک شعر میں نظم
نہیں ہو سکتے لیکن غالب ایک بات کو کچھ اس طرح
بیان کرتے ہیں کہ دوسری باتوں کی طرف توجہ جا پڑتی
ہے اور شعر پڑھ کر ذہن ان دوسری باتوں کی جستجو
میں لگ جاتا ہے۔ گویا محشرستان خیال کا دروازہ
کھل جاتا ہے اور غالب کا شعر اس دروازے کی کلید
ہے"۔

— "میں غزل اور غزل کے اشعار کو جراحتِ پیکاں سے
تعبیر کرتا ہوں۔

— "غالب کے آرٹ کا کمال یہ ہے کہ جراحتِ پیکاں
کو زخمِ تیغ کی طرح دلکشا بنا سکتا ہے"۔
(صفحات ۲۱/۲۲ تابِ سخن)

دو مصرعوں میں بات مکمل کر لینے کے لوازمات کی نزاکتوں کا ادراک
حاصل کرنے کے لئے تقاضوں میں سب سے پہلا تقاضا بحر کی مناسبت/
موزونیت کے مطابق الفاظ کا چناؤ ہوتا ہے۔ "قافیہ تنگ" ہونے کا

محاورہ، یہ الفاظ دگر اسی مشکل کی جانب ایک واضح اشارہ ہے۔
اور پھر بات اسی موزونیت کے زیر سایہ تشبیہ و استعارہ یا
نئی تراکیب یا اور اختراع تک پہنچ جاتی ہے۔ جن شعراء نے محنت
کی ہے یعنی اردو ہندی کے علاوہ فارسی اور عربی کا علم حاصل کیا ہے یا
شغف رکھتے ہیں وہ یقیناً ان تقاضوں کو پورا کرنے میں کامیاب
نظر آتے ہیں یعنی جمالِ کلام کو "نکھار" صرف نصیب ہی نہیں بلکہ بہت
خوب نصیب ہوتا ہے۔

ہماری عام روش یہ رہی ہے کہ ہم کوشش کرتے ہیں کہ پہلے
ہم شاعر کی بابت تمام معلومات (ذاتی) حاصل کر لیں اور پھر اس کے
کلام کو دیکھیں۔ لیکن ایسا بھی تو ہو سکتا ہے کہ ہم بغیر شاعر
کی تفصیلات جانے اس کی ۱۰۰ غزلیں چند بار پڑھ لیں اور اس
مطالعے کے دوران جب درج ذیل تراکیب زیر نظر آئیں یعنی

فکرِ بریدہ پر (۱)، تزلزلِ مسئلۂ جسم و جاں (۲۱)، ذہنوں میں
چشمۂ آبِ رواں (۳۱)، دفترِ ابتر (۳۶)، استراقِ معافی (۳۷)
فارسِ وقت (۳۸) معجزۂ اعجاز (۴۵)، عنبرِ لغسال (۴۷)
تکلّمِ احتراز (۵۰)، پشتِ خمِ دیوارِ حرم (۵۳)، وہ رخنہ جو
فی الحال جہاں ہمسائے کی دیوار میں ہے (۵۸)، حجلۂ احتیاط (۶۶)
بیاضِ گردن (۷۲)، نزہت گہِ یاراں (۷۶)، فطرت کی غزلیات
کا دیوان (۷۷)، خمیازۂ راحت (۸۸)، طیشِ آمادہ (۸۸)،
آہِ خستہ تناں (۸۶)، زلفِ مدعا (۹۰)، مجازوار (۹۱)
بالِ حقدر (۹۳)، خرِ زہرہ کمند (۹۸) قلمِ ازل (۹۸)،
~~وقت~~ عاقبتِ ابر (۱۰۲)، نقرۂ جبینی (۱۰۲)، اور
آبِ الماس (۱۰۴) وغیرہ

تو نہایت سرعت سے چونک کر اس "تازگی" کو محسوس کر لیں تاکہ
جمالِ کلام نظر آجائے۔ آدمی جبھی "چونکتا" اور "تازگی"

محسوس کرتا ہے کہ جو بیش نفر ہے جمال کا حامل ہے۔ اگر جمال ہے تو پھر آدمی ہو یا کسی آدمی کا کلام بات ایک ہی ٹھہرتی ہے۔

[illegible] ادریس

کراچی ۹ جنوری ۱۹۹۸ء